جلد 22 شمارہ 3 ماہ مارچ 2020ء رجب المرجب 1441ھ

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

معاون مدیر: خالد محمود بخاری 0300-7374750

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فہد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
کلام اقبال	علامہ اقبالؒ	2
دل کی بات	ادارہ	3
شیخ سلسلہ کا نوشہراں ورکاں کا دورہ	ماجد محمود توحیدی	6
ذکر الٰہی	حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	8
نقوش مہر و وفا	سید رحمت اللہ شاہ	12
نظام عالم، وجود باری تعالیٰ	پیر خان توحیدی	17
حاجی رود بہ کعبہ	طارق محمود	23
ذکر کی اہمیت	ابوبکر غزنوی	29
آنسو، سچے موتی	عبدالرشید ساہی	36
مجاہدہ نفس	سید علی ہجویریؒ	38
سنت نبوی ﷺ	حکیم محمد سعیدؒ	42
شجاعت	طالب الہاشمی	46
توبہ کے راستے کی رکاوٹ	علامہ عالم فقری	50
سب سے بیش قیمت سرمایہ صالح افراد	مولانا محمد اسجد قاسمی	56
تعمیر اساس	حامد کمال الدین	59

کلامِ اقبالؒ (از بانگِ درا)

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تیری نسبت براہیمی ہے، معمارِ جہاں تو ہے

تیری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہانِ آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوام زمینِ ایشیاء کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

دِل کی بات

خالق کائنات نے اپنا دین (نظام حیات) جو حضرت آدمؑ سے شروع کیا تھا نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اس کی تکمیل فرما دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۳۳ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ

ترجمہ : ''وہ تو (اللہ) ہے جس نے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے پورے دین پر غالب کر دے اور اگر چہ یہ بات مشرکوں کو بری ہی لگے''۔

دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کو عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشرت، معاش گویا ہر گوشہ زندگی کے بارے میں مکمل رہنمائی دیتا ہے۔ عبادات میں ارکان اسلام کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بعد معاملات ہیں جن کی درستی کے بغیر عمارت عبادت مکمل نہیں ہوتی۔ وسیع تناظر میں دیکھیں تو دین اسلام ایسے معاشرے کا قیام کا تقاضا کرتا ہے جس میں مکمل طور پر حکمرانی اللہ کی ہو۔ جب تک ایک ایک فرد سے لے کر پورے معاشرے کے کلی نظام پر اللہ کی حاکمیت نہیں ہوگی اللہ کے دین کی ترویج کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

دین اسلام صرف یہی نہیں چاہتا کہ اس کے پیرو کار صرف نماز، روزہ اور دوسرے ارکان اسلام کی ادائیگی کو ہی کل دین سمجھ لیں۔ اور معاشرے میں دین اسلام کو بحیثیت نظام رائج کرنے کے حوالے سے غفلت کا شکار ہیں۔

المُلكُ لله ، الحكمُ لله

اصل میں اسلامی عبادات اعلیٰ مقاصد اور معاشرے کو حقیقی اسلامی رنگ میں رنگنے کا

ذریعہ ہیں۔مثلاً نماز بذاتِ خود پڑھنی مقصد نہیں بلکہ نماز کے ذریعے فحاشی اور منکرات کا خاتمہ ہے اسی طرح روزہ میں بھوک پیاس کی پریکٹس نہیں بلکہ تقویٰ کا حصول ہے۔ اسی طرح زکوۃ معاشرے میں امیر و غریب کی تفریق ختم کرنے اور باہمی بھائی چارے کی فضاء پروان چڑھانے کے لیے ہے۔اور حج اسلامی معاشرے میں ہر قسم کی تفریق ملکی،لسانی ختم کر دیتا ہے۔

مسلم معاشرے میں حاکمیت اللہ کی ہوتی ہے،قانون اللہ کا ہوتا ہے،مرضی اللہ کی ہوتی ہے اور اگر یہ سب کچھ نہیں ہے اور عوام اسلامی معاشرے کے ثمرات سے محروم ہے تو مسجدیں چاہے نمازیوں سے بھری ہوں،ہر سال چاہے لوگوں کی کثیر تعداد حج و عمرہ کے لیے جاتے ہوں، بے کار ہے۔

حقیقی اسلامی معاشرے میں پہلی نمایاں خصوصیت انصاف کی فراہمی ہے بلا تفریق امیر و غریب ہر ایک کو انصاف آسانی سے ملے۔

معاشرے کے تمام افراد کو ان کی ضروریات ان کے دروازے تک انہیں میسر ہوں اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔یہ اسلامی معاشرے کا حسن ہے۔

کس نباشد در جہاں محتاج کس

نکتہ شرع مبیں این است و بس

آج اگر ہم واقعی دین اسلام کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے معاشرے میں اسلام کو بحیثیت ایک نظام رائج کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ہمارا مالک یہی چاہتا ہے۔

(ادارہ)

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ محترم جناب محمد یعقوب خان توحیدی کا نوشہرہ ورکاں کے دورہ کے موقع پر توحیدی بھائیوں سے گفتگو

فلاح آدمیت کے قارئین کے استفادہ کیلئے:

(ماجد محمود توحیدی)

اگر آج سے پہلے کسی کام میں کوئی سستی کی ہے تو اب اس سستی کو چھوڑیں اور اچھائی کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔یقین جانئے اگر کسی نے آپ کو گالی دی تو آپ کی شان میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔بانی سلسلہؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ میرے پاس فقیر بننے کا ایک فارمولا ہے کہ گالیاں کھاؤ اور دعائیں دو۔جو جتنا جلدی اس فارمولے پر عمل کرلے گا اتنی جلدی فقیر بن جائے گا۔یہ تو اپنی اپنی طلب اور خواہش کا تقاضا ہے کہ اس میں کتنی طلب اور خواہش ہے۔جو جتنا اللہ کے راستے کا سچا طالب ہوگا وہ ضرور ان باتوں کو مدنظر رکھے گا اور وہ فقیری لائن پر چلتے ہوئے لوگوں کی سچی جھوٹی باتوں کو سن کر صبر بھی کرے گا اور اللہ کے راستہ پر برابر چلتا بھی رہے گا۔

جب کوئی آپ کو گالیاں دے اور آپ سن کر چپ رہیں تو زیادہ سے زیادہ کوئی یہی کہے گا کہ آپ بے غیرت ہیں۔لیکن کسی کے کہنے سے آپ بے غیرت تو نہیں ہو جائیں گے،تم جو ہو وہی ہو۔ایسے میں تو قتل ہو جاتے ہیں اور وہ ایک اور گناہ اپنے ذمے لے لیتے ہیں ان گناہوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ برداشت کرنا سیکھیں۔برداشت کرنا بہت بڑی بات ہے لیکن یہ ناممکن نہیں ہے اگر کرنا چاہیں تو ہر آدمی کرسکتا ہے لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ کوئی مجھے دو چار گالیاں دے اور ساتھ والے لوگ مجھے ہی برا کہیں بلکہ وہ گالیاں دینے والوں کو ہی برا کہیں گے۔

لیکن پھر بھی ہمیں آپس میں بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے اور قوت برداشت کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔یہی ہماری تعلیم ہے۔آج کل کا معاشرہ اتنا سمجھدار ہو گیا ہے کہ وہ اچھے برے کی تمیز کر سکتا ہے، وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ کون اچھا ہے اور کون برا۔

اعلیٰ اخلاق پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام مخلوق خدا کے ساتھ عالمگیر محبت کی جائے۔اگر کوئی آدمی واقعی ولی اللہ بننا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام مخلوق خدا سے دلی محبت کرے۔لیکن ایک بات خوب یاد رکھیں کہ محبت کرتے ہوئے صداقت کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں ورنہ سب کچھ برباد ہو جائے گا۔محبت اور صداقت ہمارے سلسلے کا مونوگرام ہیں۔اس لیے جہاں محبت اور صداقت کا مقابلہ آن پڑے وہاں محبت کو صداقت پر قربان کر دیں۔

مخلوق خدا سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ تم کسی کو حقیر مت جانو اور نہ کسی سے نفرت کرو۔ اگر کوئی آدمی آپ کے پاس آتا ہے اور تمہارے خیال میں وہ بہت برا اور گناہ گار ہے پھر بھی تمہیں اس سے محبت سے پیش آنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ راہ راست پر آ جائے۔یقین جانیں اگر وہ راہ راست پر آ جاتا ہے تو پھر آپ کو بھی نجات کا پروانہ مل جائے گا۔

اپنے دل کو ہمیشہ لوگوں کی طرف سے صاف رکھنا چاہیے۔رسول اکرمﷺ نے فرمایا کہ تم میرے کانوں تک کسی صحابی کا عیب مت پہنچاؤ، میں چاہتا ہوں کہ جب میں اس دنیا سے جاؤں تو میرا سینہ تمہاری طرف سے بالکل صاف ہو۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرمﷺ کسی کا عیب سننا پسند نہیں فرماتے تھے۔ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے جب کوئی تم سے کسی کا عیب بیان کرنے لگے تو سننے سے صاف انکار کر دو۔ایک اور موقع پر سرکار دو عالمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میرے سامنے دنیا بھر کی نعمتیں رکھ دی جائیں تو بھی میں کسی کا عیب بیان نہ کروں گا۔یہ اخلاق محمدی ہے اور ہم سب کو بھی اسی طرح کے اخلاق کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے۔فقر اور بزرگی حاصل کرنا کوئی بچوں کا کھیل تو نہیں ہے، یہ بہت مشکل کام ہے لیکن کرنے سے سب کچھ ہو سکتا ہے

لاکھوں لوگوں نے کیا ہے اب بھی کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل سے کرتے رہیں گے۔

نبی مکرم ﷺ کا عفوو درگزر

اگر ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ساری زندگی کس طرح کے اخلاق کا مظاہرہ کیا آپ ﷺ نے طاقت ہونے کے باوجود بھی نہ ساری زندگی کسی سے بدلہ لیا اور نہ ہی بد دعا دی بلکہ سب کے لیے دعائے خیر ہی کی۔ آپ دیکھیں کہ رسول اکرم ﷺ میں کس قدر قوت برداشت تھی اور آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کس قسم کے اخلاق کا عملی مظاہرہ کیا۔ اگر رسول خدا ﷺ میں ذرا سا بھی غصہ ہوتا یا آپ ﷺ کو کسی سے نفرت ہوتی تو آپ ﷺ کبھی بھی دعائے خیر نہ فرماتے بلکہ بد دعا دیتے اور کفار تباہ و برباد ہو جاتے لیکن آپ ﷺ چوں کہ عفوو درگزر کا پیکر تھے اور اسی وجہ سے اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کو رحمۃ اللعلمین کے لقب سے نوازا ہے۔ یہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے نہ تو کبھی گالی کے بدلے گالی دی اور نہ پتھر کے بدلے کبھی پتھر مارا بلکہ اپنے دشمنوں کے خلاف کبھی دل میں بھی برا خیال نہ آنے دیا۔ ورنہ اگر حضور ﷺ کسی کا ذرہ بھی برا چاہتے تو ناممکن تھا کہ وہ شخص یا قبیلہ تباہ و برباد نہ ہو جاتا۔ آج کے دور میں حضور ﷺ کے غلام جو فقیر کہلاتے ہیں اگر کسی کے خلاف دل میں برائی کو جگہ دے دیں تو اس کو ضرور نقصان پہنچ جاتا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ کا تو ذکر ہی کیا۔

میرے بھائیو اور بیٹو! رسول خدا ﷺ کی زندگی ہی ہمارے لیے عملی نمونہ ہے اور آپ ﷺ کی پوری زندگی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ لہذا اگر آپ سلسلہ توحیدیہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو آپ کو جناب رسول خدا ﷺ کا سا اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اگر عوام ہی کا سا اخلاق رکھنا ہے تو پھر کسی سلسلہ فقر میں شامل ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ تو خالصتاً اللہ تعالی کی محبت کی تعلیم دیتا ہے اور اس کی تعلیم قرآن و سنت کی روح کے عین مطابق ہے۔ اس لیے میرے بھائیو اگر اللہ کے راستے کی طرف چلنا چاہتے ہو تو سلسلہ کی تعلیم پر دل و جان سے عمل کرو۔ انشاءاللہ آپ اس دنیا میں بھی سرخرو ہوں گے اور آخرت میں بھی۔

ذکرِ الٰہی

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اللہ نے اپنے ملنے کے لیے ایسا سیدھا اور آسان طریقہ بتایا ہے کہ ہر انسان جس کو صحیح طلب ہو با آسانی اس پر عمل کر سکتا ہے۔ وہ طریقہ کیا ہے؟ وہ ہے اللہ کا ذکر' زبان سے بھی اور دل سے بھی۔ ذکر کے متعلق بہت سی آیات ہیں۔ ان میں سے پہلی دو آیتیں مبتدیوں کے لیے اور آخری منتہیوں کے لیے ہے۔

پہلی آیت کا ترجمہ: ''اور اپنے رب کو دل میں یاد کرو۔ زاری سے اور ڈر سے' زبان سے آواز نکالے بغیر صبح اور شام اور غافلوں سے مت ہو۔'' (الاعراف:۲۰۵)

دوسری آیت کا ترجمہ: ''پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہر حال میں۔'' (النساء:۱۰۳)

تیسری آیت: **وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿المزمل:۸﴾**

ترجمہ: ''یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اسی کے ہو جاؤ۔''

مطلب یہ ہے کہ قلبی تعلق اللہ کے سوا کسی سے بھی باقی نہ رہے۔

الغرض! ذکر بنیاد ہے علم الٰہیات کے حصول کی۔ لفظ اللہ یعنی اسم ذات کا ذکر سانس کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ آپ سب اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ ذکر پورے ذوق وشوق اور پابندی سے کم از کم دو تین برس ضرور کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اللہ کی یاد دل میں مستقل ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر لفظاً ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے ساتھ ہی دل میں جوش پیدا کرنے کے لیے نفی اثبات کا ذکر بھی بہت ضروری ہے۔ یہ جہر سے ہو تو بہت اچھا ہے۔ اس سے خون میں گرمی پیدا ہوتی اور دل و دماغ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور اللہ اللہ بدن کے

ایک ایک روئیں اور خون کے ایک ایک ذرے میں مل جاتا ہے۔ یوں کہیے کہ روزانہ بیٹری کو چارج کرنے کے مترادف ہے۔ اس لیے یہ بھی بہت ضروری ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو کم از کم پندرہ منٹ کرلینا کافی ہے۔ پچھلے زمانے میں یہ ذکر ۲۴۔۵ ہزار مرتبہ روزانہ بتایا جاتا تھا مگر مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ پاس انفاس اصل چیز ہے اور نفی اثبات تو صرف جوش وخروش پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ دوسرا پہلو نفی اثبات کا یہ ہے کہ نفی کرنا آ جائے اور اس کی عادت ہو جائے۔ جب تک نفی درست نہ ہو اثبات کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتا اس لیے ذکر آہستہ آہستہ کرنا چاہیے جلدی نہیں۔ بعض ہمارے بھائی غلطی سے سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہفتہ واری حلقہ ذکر میں شریک ہونا ہی کافی ہے۔ وہ سخت غلطی پر ہیں ان کو مطلق کوئی ترقی نہیں ہوگی۔ یہ ذکر روزانہ گھر میں نماز فجر سے پہلے یا بعد میں کرنا چاہیے یہ نہ ہو تو نماز عشاء کے بعد سہی۔ آپ یہ سب کچھ جانتے ہیں اور جو بھائی نئے ہیں وہ دوسرے پرانے بھائیوں سے پوچھ سکتے ہیں۔ اس واسطے ذکر کا زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

اب چوتھی چیز تزکیہ اخلاق ہے۔ یہ چیز بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ پاس انفاس۔ ذکر سے قلب میں روح اور جان پڑتی ہے اور حرارت وسوز عشق الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن گرمی اور سوز تو پیدا ہو جائے اور تزکیہ اخلاق نہ کیا جائے تو وہ حرارت بجائے فائدے کے نقصان پہنچائے گی۔ دراصل وہ حرارت ہی مقصود ہے۔ بعض اشخاص کے دل میں گرمی پیدا نہیں ہوتی لیکن باقی کوائف سب ٹھیک ہوتے ہیں تو ان کو پریشان نہ ہونا چاہیے۔ اس حرارت کے ساتھ ہلکا سا نشہ اور سرور ہوتا ہے اور اس حالت میں سالک بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ جتنے کرشمے اور کرامات سالک سے سرزد ہوتے ہیں اس حرارت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ یہ حرارت ایک خاص درجہ تک اگر کسی میں پیدا ہو جائے تو اس میں اس قدر کشش مقناطیسی پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اس سے محبت کرنے لگتا ہے اس کا والہ وشیدا ہو جاتا ہے اور اس کا ہر حکم مانتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تزکیہ اخلاق نہ ہوا ہو تو انسان اس طاقت سے غلط اور ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ اس لیے تزکیہ اخلاق بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے بزرگ سفر کرنے کا حکم دیتے تھے، سقہ بن کر پانی پلواتے تھے، بھیک منگواتے تھے۔

اس زمانہ میں یہ باتیں کون کرے گا۔لہٰذا میں نے ایک بہت ہی سہل طریقہ اس کا نکالا ہے اور وہ یہ ہے کہ غصہ اور نفرت کو دل سے بالکل نکال دو۔ایسا کرنے سے باقی برائیاں رفتہ رفتہ خود ہی جاتی رہیں گی۔یہ عمل گھر ہی سے شروع ہونا چاہیے۔یعنی اپنے بیوی بچوں، رشتہ داروں، ملازموں وغیرہ پر کبھی غصہ نہ کرو۔خواہ ان سے کیسی ہی خطا سرزد ہو۔ضبط کرو اس سے قوت برداشت پیدا ہو گی جو ہر بڑے آدمی خصوصاً اصلاح کرنے والوں کے لیے بہت ضروری ہے۔دل تو چاہتا تھا کہ اس پر دو چار صفحے لکھتا لیکن اول تو چار ماہ کی مسلسل بیماری سے دماغ کمزور ہے اجازت نہیں دیتا دوسرے وقت بھی تھوڑا رہ گیا ہے۔آپ پہلے ہی سب کچھ جانتے بھی ہیں جس کسی کو تفصیل معلوم کرنا ہو "تعمیر ملت" سے معلوم کرسکتا ہے۔یہ سب کچھ اس میں لکھا ہے غصہ اور نفرت کی نفی کے ساتھ ساتھ دو چیزیں اختیار کرو ایک عالمگیر محبت دوسرے حق یعنی خدا کی ہر مخلوق سے محبت سے پیش آؤ اور جو کام کرو حق کرو۔

یہ چار باتیں جو اوپر بیان ہوئیں اوسط درجہ کا بزرگ بننے کے لیے ضروری ہے۔اگر یہ سب کچھ ٹھیک کیا جائے تو سالک میں کشف و کرامات کی وہ طاقت خود بخود پیدا ہو جائے گی جو غیر مذاہب کے صوفیوں کی کسی عبادت و ریاضت اور یوگ وغیرہ سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی۔مسمریزم، ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی انتقال خیال اس کو اس درجہ حاصل ہو گا کہ دوسرے طریقوں سے ان طاقتوں کو حاصل کرنے والے کبھی حشر تک نہیں کر سکتے۔اعلیٰ درجہ کی بزرگی حاصل کرنے اور مراتب اعلیٰ تک پہنچنے یعنی قرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے پانچویں بات یعنی قطع ماسویٰ اللہ بدرجہ کمال پیدا کرنا پڑتی ہے اوسط درجے تک کے لیے بھی ضروری تو ہے مگر اس قدر زیادہ نہیں۔

قطع ماسویٰ اللہ کیا ہے؟ یہ ہے کہ سالک کا دلی تعلق اللہ کے سوا دنیا کی کسی شے مثلاً بیوی بچے، روپیہ پیسہ، عیش و عشرت وغیرہ کسی چیز سے سوت کے دھاگے کے برابر بھی قائم نہ رہے لیکن حقوق العباد کما حقہ ادا کرنے پڑتے ہیں۔یہ کام بہت مشکل ہے، کرنے والوں کے لیے کوئی چیز مشکل نہیں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ہزاروں نے کیا ہے اب کر رہے ہیں اور آئندہ کریں گے۔طلب صحیح،

ہمت بلند اور عمل پیہم کی ضرورت ہے۔

الغرض! یہ ہے وہ علم حکمت جو حضور نبی کریم ﷺ اپنے ساتھیوں کو سکھاتے تھے۔ علم حقائق الاشیاء۔ حکمت کے عام معنی ”عقل کی باتیں“ بھی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حضور ﷺ نے عرب کے ان پڑھ جہلا کو اپنی تعلیم سے علم کا وہ نور بخشا کہ وہ قیصر و کسریٰ کے درباروں میں بے جھجک چلے جاتے اور ایسی عقل مندی کی باتیں کرتے کہ بڑے بڑے عالم و فاضل دنگ رہ جاتے اور ان کا جواب نہ دے سکتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علم الٰہیات سے انسان میں عقل سلیم اور قلب سلیم پیدا ہو جاتا ہے اور جس کو یہ دونوں نعمتیں میسر آ جائیں وہ بڑے بڑے فلسفہ دانوں کو بھی لاجواب کر دیتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم الٰہیات حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے تو جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے۔ اس میں عقل سلیم اور قلب سلیم پیدا ہو جاتا ہے۔ علم لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔ جس کے آگے پھر کسی علم کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس میں وہ روحانی جذبہ اور مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ جو اس کے پاس تھوڑی دیر بھی بیٹھتا ہے اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے تمام دنیاوی کام بھی ہمیشہ اس کے حسب دل خواہ انجام پاتے ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور خدا سے جو مانگتا ہے وہی ملتا ہے۔ وہ ہمیشہ خوش رہتا اور دوسروں کو خوش رکھتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خلق خدا کی اصلاح کرتا اور ان کو خدا تک پہنچاتا ہے۔ آخرت کے لحاظ سے وہ نہ بائیں والوں میں ہوتا ہے نہ دائیں والوں میں بلکہ آگے والوں میں ہوتا ہے اور ہمیشہ قرب اور لقائے الٰہی سے شادکام رہتا ہے۔ اب دُعا کرو کہ خدائے رحیم و کریم تمام مسلمانانِ عالم کا بول بالا کرے۔ انہیں کفار و مشرکین کی بالادستی سے نجات دے کر پھر سب پر غالب فرمائے‘ انہیں فرقہ بندیوں اور تفرقہ پردازیوں کو جو ان کی ذلت و خواری کی اصل وجہ ہیں دور فرما کر متحد کر دے۔ ان سے شرک کی لعنت دور کرے۔ اشخاص پرستی‘ پیر پرستی اور قبر پرستی جیسی لعنتوں سے نجات دے کر خالص اور پکا توحیدی بنا دے۔ آمین! یا ربّ العالمین!

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

باباجانؒ ان باتوں کے بارے میں بتا رہے تھے جو آپؒ کی طرف سے تجاویز پیش ہوئیں باباجانؒ فرمانے لگے کہ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے پہلے یہ تجویز کیا تھا کہ شجرہ پڑھنے کے بعد اگر ٹائم ہو تو یہ (رباعیات اور دیگر چیزیں جو حلقہ ذکر میں وقت ہو تو پڑھنے کی شرط کے ساتھ درج ہیں) بھی پڑھیں پھر توجہ لیں۔ہم نے کہا کہ شجرہ پڑھنے کے بعد تو وہ تسلسل نہیں ہوتا، اس میں توجہ ٹوٹنی چاہئے۔یہ شجرہ جو ہے یہ آخر میں ہونا چاہئے۔باباجیؒ نے قبول کر لیا کہ ہاں یہ ایسے ہونا چاہئے۔شجرہ آخر میں ہو اور پھر شجرے کے بعد توجہ لینی چاہئے۔ایک تو یہ میری طرف سے Amendment منظور ہو گئی۔

دوسری یہ کہ باباجیؒ کی بیٹی جو لاہور میں ہوتی تھیں، رابعہ، ان کا بھی انتقال ہو گیا تھا اور نانی اماں کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ہم نے کہا کہ چلو عبدالہادیؒ کا نام ایصالِ ثواب میں لکھا ہوا ہے تو ان کا نام بھی لکھ دیں تو ہم نے یہ ساتھ لگا دیا۔وہ رسالدار صاحبؒ سے آگے عبدالہادی انصاریؒ اور آپؒ کی اہلیہ اور بیٹی کی ارواح کو بھی اس کا ثواب پہنچا۔تو باباجیؒ نے پوچھا کہ یہ کس نے لگائی ہے؟ ہم نے کہا کہ یہ ہم نے لگائی ہے۔فرمایا؛ یہ ختم شریف جو ہے یہ مردے بخشوانے کے لئے نہیں لکھا۔یہ مردے بخشوانے کے لئے نہیں ہے۔کاٹ دو ان کو۔یہ (ختم شریف) تو بزرگانِ کرام کے فیض لینے کے لئے ہے۔ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کے لئے ہے۔آپ کی طرف سے حضور ﷺ کے توسط سے ایصالِ ثواب ہوگا۔ساری ڈاک پہلے حضور ﷺ کے پاس پیش ہوتی ہے۔پھر وہ بلاتے ہیں سب کو کہ آؤ جی آپ کا آیا ہوا ہے ڈاک۔ایک تو حضور ﷺ کے ساتھ ملاقات اور پھر حضور ﷺ کے توسط سے ان کو پہنچایا جاتا ہے۔دنیا میں حکم ہے کہ کوئی سلام کرے تو آگے اس کا جواب اس سے

اچھا دو۔تو وہ نہیں دیں گے اچھا؟ اگر ان کو ایصالِ ثواب پہنچے گا تو وہ نہیں بھیجیں گے کہ ان کے فلاں مرید نے ان کو ایصالِ ثواب کیا ہے۔وہ نہیں بھیجیں گے؟ وہ بھی بھیجیں گے۔ان سے نورانیت وہ جو آئے گی، وہ ہمیں فائدہ پہنچائے گی۔یہ اس لئے ہے۔فرمایا: یہ مردے بخشوانے کے لئے نہیں ہے کاٹ دو اس کو۔وہ عبدالہادیؒ کا نام اس لئے لکھا ہے کہ اس کا اللہ کی راہ میں یہ حال ہوا تھا۔اس لئے اس کو لکھا ہے۔ورنہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

جب نانی اماں (زوجہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) فوت ہوگئیں تو بڑی بیٹی نے کراچی میں ختم کا اہتمام کیا۔وہ (نانی اماں) انہیں خواب میں ملیں۔کہنے لگیں کہ مجھے ان ثوابوں اور ختموں کی ضرورت نہیں ہے، تمہارے ابا نے مجھے اتنا دیا ہے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔

شجرہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بزرگوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ہے۔کسی نہ کسی بزرگ سے جو سلسلے کے ہیں، جن سے آپ کی روحانی میچنگ ہوتی ہے، تو ان کے ساتھ Contact ہو جاتا ہے۔وہ بڑا فائدہ ہوتا ہے۔کئی بھائی اب بھی بوڑھے ہو گئے ہیں، ان کو شجرہ مبارک یاد ہی نہیں ہے۔اچھی بات نہیں ہے یہ۔سب کو یاد کرنا چاہئے اور ضرور پڑھنا چاہئے۔یہ روحانی عالم ہے۔ایک سسٹم ہے۔جب آپ یاد کرتے ہیں۔شجرہ یہاں پڑھ رہے ہیں تو عالمِ ارواح کہاں ہے؟ باباجیؒ نے کہا کہ یہاں ہی ہے۔کوئی دور تو نہیں ہے۔یہاں ہی ہے۔ادھر ہی ہے نہ ہم ان کو محسوس ہوتے ہیں اور نہ وہ ہمیں محسوس ہوتے ہیں لیکن اسی عالم میں ہیں عالمِ روحانی۔ان کو نہیں محسوس ہوتا کہ بچے یہ جو پڑھ رہے ہیں، ہمارا ہی بنایا ہوا ہے؟ سارا Chain جو ہے وہ سارے سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارا ہی ہے۔یہ ہمارا ہی سکول ہے۔Chain of thought یا Chain of school جو ہے، یہ ہمارے ہی بچے ہیں۔ہم اس کے ٹیوٹر تھے اپنے ٹائم میں۔وہی سکول چلتے چلتے یہاں پہنچا ہے۔وہ سارے خوش ہوتے ہیں اور فیض پہنچاتے ہیں۔تو اس لئے ہے کہ رابطہ ہو جائے ان میں سے کسی سے تو بس مزے ہوتے ہیں۔تو اس سے وہ فیض آتا ہے۔کسی نہ کسی تعلق سے گہرا ہوتا ہے۔ایک دنیوی نسبت ہے۔باباجیؒ فرماتے تھے کہ جیسے ہم باہر سے نظر آنے میں

سب علیحدہ علیحدہ ہیں، اندر سے بھی سب روحانی طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ہر ایک کا رنگ علیحدہ علیحدہ ہے۔ کسی کے ساتھ Matching صحیح ہو جاتی ہے، وہاں سے بڑا فیض ملتا ہے۔ یہ کام آتا ہے۔ تو یہ ایک ہماری تجویز منظور ہو گئی اور ایک نہیں ہوئی۔

شجرہ جو ہے یہ سب کو یاد کرنا چاہئے اور پریم سے پڑھنا چاہئے۔ فیض والا کام خود ہی ہو جاتا ہے، اندر سے ہی۔ آپ پڑھیں سہی۔ جب میں حلقے میں شامل ہوا، جب گیا پہلے دن۔ ان دنوں لاہور میں ہی تھے، ادھر دھرم پورہ میں حلقہ ہوتا تھا۔ قاضی غیور احمد صاحبؒ اس کے انچارج تھے۔ ہم پہلے دن حلقے میں گئے تو اس وقت یہ شجرہ نیا نیا ہی آیا تھا۔ انہوں نے لیمپ رکھ دیے اور ایک ایک کاپی سب کو دے دی کہ یہ بھی پڑھنا ہے۔ اس پر سے دیکھ کر ہم نے پڑھا۔ انہوں نے کاپی دے دی کہ یہ سارے لوگ یاد کر لیں۔ اس وقت کتاب صرف تعمیر ملت ہی تھی۔ ہم نے وہ جیب میں ڈال لیا۔ جب کام کرتے تھے تو یاد کرنے لگے۔ ہم نے کہا کہ یہ یاد کرنا ہے تو پھر یاد کرنا ہی ہے اگلے ہفتے میں یاد کر کے گیا تھا۔ انہوں نے لیمپ جلائے تو میں نے کہا کہ مجھے تو یاد ہو گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کمال ہے یہ لڑکا پچھلے ہفتے آیا ہے، اس ہفتے اسے یاد ہو گیا ہے۔ یہ کاپی دینے لگے تو ہم نے کہا کہ ہمیں نہیں چاہئے۔ جب ہم امتحان دینے کے لئے کتابوں کے صفحے کے صفحے یاد کر لیتے ہیں تو یہ یاد نہیں ہوتا کیا؟ کر لو یاد۔ ایک ہفتے میں ہم نے اسے یاد کر لیا۔ بحر حال یہ کہ اگر کرنا ہی ہے تو پڑھو۔ مختصر ترین تو پہلے ہی کر دیا۔ پندرہ بیس منٹ، آدھے گھنٹے کا ذکر ہے سارا۔

ایصالِ ثواب ہے۔ کئی لوگ تو قائل ہی نہیں ہیں اس کے۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) کہتے تھے کہ عجیب بات ہے کئی لوگ قائل ہی نہیں ہیں اس کے۔ خدا کی قسم ہم تو جاتا ہوا دیکھتے ہیں ایصالِ ثواب۔ آپ نے ادھر دعا مانگی، یہ روٹیاں اور یہ سب۔ ادھر یہ سب کچھ کہا اور اس کا ثواب ہم ایسے اُٹھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ پہنچ رہا ہے، جا رہا ہے۔ یہ تو فقیر والی باتیں ہیں۔ فرمایا: ہم تو جاتا ہوا دیکھتے ہیں۔ پلیٹیں بدل جاتی ہیں۔ دنیاوی حلوے سے روحانی حلوہ بن جاتا ہے۔ وہ روح کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ روٹی بھی پہنچا دی جاتی ہے۔ ہم تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

Supply chain میں ہوتے تھے ایک انور صاحب۔ انور یوسی۔ پتلا سا ہوتا تھا۔ اس کا ایک بچہ تھا۔ بزرگ ٹائپ تھا۔ اس کو روحیں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ ذکر میں آجاتا تھا کبھی۔ کہتا تھا کہ آج تو اتنے بزرگ آئے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی آئے ہوئے تھے، فلاں بھی آیا ہوا تھا، فلاں بھی آیا ہوا تھا۔ آج ذکر میں فلاں فلاں آئے ہوئے تھے۔ وہ کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں اس میں۔ کہنے لگا کہ میں گاؤں میں گیا تو اماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ میں اس کی فاتحہ کہنے کے لئے قبر پہ گیا۔ یہ بھی ساتھ تھا۔ وہاں دعا مانگی تو یہ کہتا ہے: ابو جی ابھی آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا تھا ناں تو آسمان سے ایک کبوتر آیا تھا۔ قبر پہ بیٹھ گیا۔ آپ نے دعا ختم کی تو وہ اڑ گیا۔ مطلب یہ کہ جو اہل کشف ہیں ان کو یہ چیزیں دکھائی بھی دیتی ہیں۔

باباجیؒ نے طریقت میں لکھ بھی دیا کہ ایصالِ ثواب کے ہم قائل ہیں، یہ جاتا بھی ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کھانا یا کپڑا یا پیسے غریبوں کو دیے جائیں۔ یہ نہیں کہ آپ ہی صاحب جو ہیں وہ کھا گئے۔ بیس دیگیں پکائیں، وہ روٹی کھا کے چلے گئے۔ یہ نہیں۔ پہلے ثواب کا کام کریں ناں۔ کسی غریب کو، کسی ضرورت مند کو، کسی ادارے میں یا کسی جگہ یتیموں کو کھلائیں۔ پہلے خالصتاً تقسیم کریں، اس کے بعد پھر دعا کریں۔ باباجیؒ نے کہا کہ خود بھی کھالیں۔ یہ نہیں کہ آپ پر حرام ہوگیا ہے۔ گھر میں بھی کھلائیں، باقی جو ہے وہ تقسیم کریں۔ وہ رشتہ داروں کو کھلا دیں کہ چلو جی سارے آگئے، کھا کے چلے گئے۔ یہ تو رسم و رواج ہی ہے۔ ایسا نہیں کرنا۔ کریں ضرور جتنی بھی توفیق ہو مجبوراً بھی نہ کریں کہ ضرور ہی کرنا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ ایسا نہیں کرنا۔

ہمارے بہت سے بھائی ایسے بھی ہیں کہ یہ بھائی جب فوت ہوئے تو کہہ کے گئے تھے کہ یہ ختم وغیرہ نہیں کرانا۔ احمد رضا کے والد فوت ہوگئے تو لوگ پوچھنے لگے کہ دوبارہ ختم کب کرانا ہے؟ ساتواں، دسواں کب کرنا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا نام لے دو کہ باباجی کہتے ہیں کہ ہم نے نہیں کرانا۔ بس ہوگیا ہے ایک ختم یہ کافی ہے۔ میں نے کہا ان سے کہ آپ کو شرم آتی ہے تو میرا نام لے دو کہ باباجی کہہ رہے ہیں۔ نہیں کرانا تو ٹھیک ہے۔ اب ایسا تو نہیں ہے کہ ضرور ہی ختم ہو۔

وہ تو کہتے ہیں کہ یہ مرغ پلاؤ اور یہ ایک دعوت ہونی چاہئے ایصال ثواب واسطے۔ ہم نے کہہ دیا کہ ان سب کو کہہ دیں کہ ہم نے نہیں کرانا۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے لکھا بھی ہے کہ یہ رسم و رواج آہستہ آہستہ Close کریں۔

ہمارے والد صاحب فوت ہوگئے تو ہم سے پوچھنے لگے کہ ختم کب کرانا ہے؟ ہم نے کہا کہ ختم ہم نے کرانا ہے لیکن ہم اپنی مرضی سے کرائیں گے۔ پندرھویں کو کریں گے یا اٹھارہویں کو کرائیں گے، اپنی مرضی سے ہی کرائیں گے۔ جن کو ہمارے بہن بھائیوں سے پیار ہے، جب جی چاہے آجائیں، بچوں کو پیار دے جائیں لیکن ختم ہم نے نہیں کرانا۔ ہم اپنی مرضی سے کرائیں گے۔ ہم نے اکٹھے کیے اپنے بہن بھائی، ان کے پوتے پوتیاں اور اپنے گھر میں ختم کرادیا۔ جو ہوسکتا تھا۔ کپڑے بھی بانٹے۔ ایصالِ ثواب کردیا۔ یہ ہو مگر طریقے سے ہونا چاہئے۔

باباجیؒ کہتے تھے کہ ہم دیکھتے ہیں ثواب جاتا ہوا تو پھر یہ کسی طریقے سے ہونا چاہئے۔ آپؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری صاحبؒ) نے کبھی ختم نہیں دلایا۔ نہ حضرت رسالدار صاحبؒ کا کبھی دلایا، نہ مولانا کریم الدینؒ کا کبھی دلایا۔ کبھی دیکھا ہے آپ نے؟ کبھی مٹھائی یاد آتی بہت زیادہ تو کہتے کہ چلو رسالدار صاحبؒ کا ختم پڑھو۔ وہ بڑے مٹھائی کے شوقین تھے۔ انہوں نے مجھے لگائی، میں تو یہ نہیں چاہتا تھا۔ چلو انہیں ایصالِ ثواب کرو۔ یا گڑ والے چاول پکے ہوتے تو نانی اماں کی یاد آتی۔ ان کو گڑ والے چاول بہت پسند تھے تو ان کے ایصالِ ثواب کے لئے دعا کرا دیتے۔ ویسے انہوں نے کبھی وہ ختم نہیں کرایا۔ روز کے روز ذکر ہوتا ہے۔ روز کے روز ایصالِ ثواب ہوتا ہے۔ سارے اپنے سلسلے کے تمام جو بزرگان ہیں ان سب کے لئے ہم دعا کرتے ہیں۔ یہی چیز ہے۔ یہ صحیح ہے۔

نظامِ عالم : وجود باری تعالیٰ (قندِ مکرر)

(پیر خان توحیدی)

کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے وہی خدا ہے

قرآنی آیات اور سائنسی مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام کائنات کو بنے اربوں کھربوں سال گزر چکے ہیں۔لیکن اِس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل دکھائی نہیں دیتا۔ہر جگہ ایک وقت اور ایک ہی قانونِ فطرت موجود ہے۔اِس میں نہ کوئی تبدیلی اور نہ کوئی کمی بیشی نظر آتی ہے۔ سورج اُسی طرح مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوب جاتا ہے۔موسموں کا تغیر وتبدل رات دن کا ظہور رہونا بارش کا برسنا وغیرہ۔یہ سارے عمل اُسی طرح آج بھی ہو رہے ہیں۔جس طرح لاکھوں کروڑوں سال پہلے ہوا کرتے تھے۔اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کائنات کو بنانے والی۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والی اور اِس کو چلانے والی کوئی طاقت ضرور ہے اور وہ خدا ہے۔یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے بعد بھی کچھ فلسفیوں، مادہ پرستوں، مفکروں اور ملحدوں نے یہ نظریہ قائم کر رکھا ہے کہ اِس کائنات کو پیدا کرنے والا کوئی نہیں یہ خود بخود بن گئی ہے اور خود بخود مٹ بھی جائے گی۔یہ لوگ قیامت کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اُنہیں قیامت پر اور نہ ہی اپنے اچھے یا برے اعمال کے جواب دہ ہونے پر یقین ہے۔حالانکہ اِس کائنات کو پیدا کرنے کا بڑا سبب انسان کو پیدا کرنا تھا اور انسان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اِس پر ذمہ داری کا بار ڈالا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کس طرح اِس کو نبھاتا ہے۔اگر کسی امتحان، کسی محاسبہ، کسی باز پرس اور کسی جزا سزا کا کوئی سوال نہ ہوتا اور انسان کو یونہی بے نتیجہ مر کر مٹی ہی ہو جانا ہوتا تو پھر یہ سارا کارِ تخلیق بالکل ایک مہمل کھیل تھا۔اور نہ ہی کسی حیاتِ اُخروی کی ضرورت تھی۔

حیاتِ اُخروی کی ضرورت کا اثبات دراصل اِس سوال کے تصفیہ پر موقوف ہے کہ آیا یہ کائنات

کسی حکیم کا فعل ہے یا بلا کسی حکمت کے آپ سے آپ بن گئی ہے۔مادہ پرست ملحدین ومنکرین کا کہنا ہے کہ اس نظام کو کسی صانع حکیم نے نہیں بنایا بلکہ یہ خود بخود بن گیا ہے۔اور اپنے آپ حرکت کرنے والی مشین کی طرح اپنے تمام اجزاء سمیت ''جن میں انسان بھی شامل ہے'' چل رہا ہے۔ مادہ اور توانائی کا باہمی تعلق جس روز ختم ہو جائے گا اِسی روز یہ نظام بھی درہم برہم ہو جائے گا۔اس میں کسی مقصدیت اور حکمت کی تلاش بالکل لا حاصل ہے۔اِسی وجہ سے مادہ پرست سائنس نے آثار کائنات کی مقصدی تعلیل کو اپنے حدود سے نہ صرف خارج کر دیا ہے بلکہ اِس طریق فکر کو سرے سے لغو بے معنی قرار دیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کائنات اور اس کی کسی شے اور کسی فعل میں کوئی مقصد نہیں پایا جاتا۔یہ محض غلط فہمی ہے کہ اشیاء کے طبعی افعال کو ان کا مقصد قرار دیا جاتا ہے اور ان کے وجود میں کسی حکمت اور کسی عقل کی جستجو کی جاتی ہے۔

اِس نظریہ کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو حیات دنیوی کے بعد کسی حیات اُخروی کی ضرورت کو تسلیم کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں رہتی کیونکہ جس کائنات کا نظام ایک اندھی بے عقل بے شعور طبیعت کے ہاتھوں کسی مقصد و غایت کے بغیر چل رہا ہو۔اس کی حیثیت ایک کھلونے سے زیادہ نہیں ہو سکتی وہ اور اُس کی ہر شے عبث ہے۔عبث بنی ہے اور عبث ہی فنا ہو جائے گی۔اس پر اپنے اچھے یا برے فعل کی کوئی ذمہ داری نہیں ہونی چاہیے اور دنیا ہی میں عدل و انصاف اور جزا و سزا کا سوال منقطع ہو جاتا ہے کجا کہ اس کی خاطر ایک دوسری زندگی کی ضرورت کو تسلیم کیا جائے۔

یہ نظریہ نہ صرف سراسر خلاف عقل ہے بلکہ اِس کی تائید میں جو کچھ کہا گیا ہے اِس کا لب لباب بس اتنا ہے کہ ہم کو اور کائنات کو پیدا کرنے والا اور چلانے والا نظر نہیں آتا ہم تو اس کو کسی بنانے والے کے بغیر ہی چلتا ہوا دیکھتے ہیں اور اس کے چلنے کا مقصد معلوم کرنا نہ ہمارے بس میں ہے اور نہ ہی اِس کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

سارے فلاسفر اور سارے منکرین یہ تو کہتے ہیں کہ یہ کائنات حرکت پذیر ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ اس کا کوئی محرک ہے۔جبکہ ہر متحرک چیز کو کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے۔یہ ایک امر

مسلمہ ہے کہ تمام اجسام میں کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے۔ مثلاً جسم بڑھتا ہے یا گھٹتا ہے یا اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے۔ پہلی دونوں صورتوں میں تغیر محسوس ہوتا ہے تیسری صورت بھی درحقیقت تغیر سے خالی نہیں۔ کیونکہ پرانے اجزاء فنا ہوتے اور ان کی جگہ نئے آتے رہتے ہیں۔ یہ دلیل کا پہلا مقدمہ ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز متحرک ہے اس کا کوئی محرک بھی ہو کیونکہ اگر کوئی خارجی محرک نہیں ہے تو یہ احتمال قائم ہو سکتا ہے کہ خود اس شے کی ذات محرک ہو۔ لیکن یہ صحیح نہیں مثلاً یہ ظاہر ہے کہ انسان متحرک بالارادہ ہے اور اگر حرکت اس کی ذاتی ہو تو چاہیے کہ جس کسی آدمی کے مقدم اجزاء جدا کر دیئے جائیں تو اصل جسم اور جدا شدہ اعضاء میں حرکت پائی جائے حالانکہ دونوں میں سے ایک میں بھی حرکت باقی نہیں رہتی جب یہ ثابت ہوا کہ ہر متحرک کے لئے کسی محرک کی ضرورت ہے تو ضروری ہے کہ تمام اجسام کا سلسلہ کسی ایسے وجود پر ختم ہو جو خود متحرک نہیں کیونکہ اگر وہ خود بھی متحرک ہو تو اس کیلئے بھی کسی محرک کی ضرورت ہوگی۔ اِس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ محرک اول جو خود متحرک نہیں اور تمام اشیاء کی حرکت کا باعث ہے، اللہ ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ جو چیز متحرک ہے ضرور ہے کہ اس کیلئے کوئی محرک ہو۔ اب دو صورتیں ہیں نمبر I یا تو یہ سلسلہ کسی حد تک جا کر ٹھہر جائے گا یعنی آخیر میں ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بالواسطہ تمام اشیاء کی محرک ہے اور خود متحرک نہیں یہی اللہ ہے نمبر II یا یہ سلسلہ کہیں ختم نہ ہوگا۔ اِس صورت میں غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا۔ اور یہ قطعاً ناممکن ہے اللہ تعالیٰ ازلی ہے اِس کے وجود کی ابتدا نہیں۔ ہر زندہ اور مردہ چیز سے پہلے وہی ہے جسکی دوسری سادہ اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ قدیم نہیں ہے تو حادث ہوگا اور اگر حادث ہے تو وہ بھی کسی دوسرے پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔ پھر دوسرا تیسرے کا اور تیسرا چوتھے کا علیٰ ہذا القیاس۔ اِس سے ایک بے نہایت تسلسل پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تسلسل سراسر ناممکن ہے۔ متسلسل شے حاصل نہیں ہوتی اور اگر حاصل ہوتی ہے تو اس طرح سے ہوتی ہے کہ ایک ایسے محدث یعنی پیدا کرنے والے پر نوبت پہنچے جو سب سے اول اور قدیم ہو اور اسی سے ہماری غرض ہے اور یہ وہی ہے جس کو

ہم عالم کا خالق ،موجد، پیدا کرنے والا اور حادث کرنے والا کہتے ہیں اور وہ اللہ ہے۔

جو لوگ یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں یہ خود بخود بن گئی ہے اور خود بخود مٹ جائے گی۔ اِن کی حالت اِس طفل سے کم نہیں جو کسی مطبع کی مشین کو چلتے ہوئے دیکھتا تو ہے لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس مشین کی غرض و غایت کیا ہے اور یہ کس مقصد کے تحت چلتی ہے۔ اِس بناء پر وہ خیال کرتا ہے کہ یہ محض ایک کھلونا ہے جو بلا کسی مقصد کے تحت چلتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ جس طرح اِس مشین سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ پرزے حرکت کرتے ہیں، زمین لرزتی ہے اِسی طرح کاغذ بھی چھپ کر نکلتے ہیں۔ اِس کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ تمام افعال جو اِس مشین سے صادر ہوتے ہیں ان میں صرف ایک فعل یعنی کاغذوں کا چھپ کر اس پوری مشین کے بنائے جانے کا مقصد ہے اور باقی تمام افعال مشین کی حرکت کے طبعی نتائج ہیں۔ اِس کی طفلانہ نظر مشاہدہ کی اتنی قوت نہیں رکھتی کہ اس مشین کے پرزوں میں ترتیب مناسبت اور نظم کو محسوس کرسکے اور یہ سمجھ سکے کہ اِس کا ہر پرزہ جس صورت پر بنایا گیا ہے اور جس مقام پر لگایا گیا ہے وہی صورت وہی مقام اِس کیلئے موزوں ہے۔ اِس بناء پر وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مشین یونہی لوہے کے چند ٹکڑوں کے مل جانے سے خود بخود بن گئی ہے۔ اِس کی عقل اتنی پختہ نہیں کہ وہ مشین کے افعال اور اِس کی ترتیب کو یہ قیاس کرسکے کہ اس کا بنانے والا ضرور کوئی حکیم شخص ہونا چاہیے جس نے ایسے اچھے اندازے پر یہ مشین بنائی ہے جس کا کوئی پرزہ بے کار، غیر موزوں، بے ضبط اور بے ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ کہ ایسی حکمت اور دانائی سے جو چیز پیش کی گئی ہے وہ ہرگز بے مقصد اور عبث نہیں ہوسکتی۔ اگر پریس مشین کے اِس ناقص مشاہدے اور ناقص غور و فکر سے وہ نادان بچہ یہ نظریہ قائم کرے کہ نہ کوئی حکمت اِس کے بنانے میں صرف ہوئی ہے اور نہ کوئی حکیمانہ مقصد اِس کی صنعت میں پیشِ نظر ہے تو کیا کوئی عاقل اور سمجھ بوجھ والا آدمی یہ تسلیم کرے گا کہ اس بچہ نے مشین کی حقیقت کے بارے صحیح نظریہ قائم کیا ہے۔ اگر یہ بات ایک پریس مشین کے بارے میں درست نہیں ہے تو نظامِ کائنات کے بارے میں کیونکر درست ہوسکتی ہے۔ جس کا ایک ایک ذرہ اپنے بنانے والے کے علم، ارادے، حکمت اور

بصیرت پر شہادت دے رہا ہے۔ جس کے متناسب نظام اور ضابطہ میں کہیں بھی کوئی فتور اور شک نظر نہیں آتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اعتراف انسان کی اصل فطرت میں داخل ہے۔ علم الانسان کے ماہرین نے اِس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب فطری حالت میں تھا یعنی علوم وفنون۔ تہذیب و تمدن اور شائستگی کا بالکل وجود ہی نہ تھا اس وقت بھی اس نے اللہ تعالیٰ کی پرستش اختیار کی تھی۔ مشہور محقق میکس مولر لکھتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اس وقت اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکا دیا تھا جب وہ اللہ کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس زمانے سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصہ میں اللہ تعالیٰ کا اعتقاد موجود تھا اور تمام کی تمام اقوام اللہ تعالیٰ کی قائل تھیں۔ انسان کو آغازِ تمیز میں جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے اِن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب با قاعدہ اور منظم دیکھتا ہے تو اِس کو یقین ہوجاتا ہے کہ کسی دانشمند نے اِن چیزوں کو ترتیب دی ہے۔ اگر کسی جگہ چند چیزیں بے ترتیب اِدھر اُدھر پڑی نظر آئیں تو یہ خیال آتا ہے کہ شاید خودبخود یہ چیزیں جمع ہوگئی ہونگی۔ لیکن جب وہ اِس ترتیب اور سلیقے سے چنی گئی ہوں کہ ایک ہوشیار صناع بھی بمشکل اِس طرح چن سکتا ہے۔ تو یہ خیال کبھی بھی پیدا نہیں ہوتا کہ یہ اشیاء خودبخود ترتیب وار جمع ہوگئی ہونگی۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم جو اِس قدر با قاعدہ اور خاص سلیقہ کے ساتھ مرتب و موزوں ہے وہ خودبخود قائم ہوگیا ہو۔

آج جبکہ تحقیقات کی انتہا ہوگئی ہے۔ کائنات کے سینکڑوں اسرار فاش ہوگئے ہیں حقائق اشیا نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دی ہے۔ بڑے بڑے فلاسفر اور حکماء غور فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کے ثبوت میں وہی استدلال پیش کر سکے جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ میں ادا کیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی کاریگری ہے جس نے اِس کائنات کو خوب پختہ طور سے بنایا اور خاص سلیقہ کے ساتھ مرتب و موزوں کیا کہ تم کو کہیں بھی کوئی فرق نظر نہ آئے گا پھر دوبارہ دیکھو بار بار دیکھو تو تمہیں کہیں بھی کوئی خرابی یا کوئی دراڑ نظر نہ آئے گی۔ باوجود ان کھلے نشانات کے

جوشخص کائنات کےظہوراورتخلیق کومحض ایک اتفاق سمجھتا ہےاوراپنے خیال پرفخر کرتا ہے کہ یہ کائنات خودبخود پیداہوگئی اورکوئی اِس کاپیدا کرنے والابنانے والانہیں ہوسکتاتو یہ اس کےفتورعقل کی دلیل ہے جبکہ ایک چھوٹا سا کمرہ بھی خودبخود مرتب نہیں ہوسکتاتو اتنی بڑی کائنات جس کی ایک ایک چیز میں اِس قدر سلیقہ،نظم اورترتیب پائی جاتی ہےوہ خودبخود کیسے پیداہوگئی۔صبح وشام کی گردش ہواؤں کا چلنا بادلوں کا گرجنا بارشوں کا برسنا موسموں کا اُلٹ پھیر سورج کی چمک چاند کی کشش،سمندر کا مدوجزر یہ ساری چیزیں صانع اورخالق کےحسن وصفت اورخوبیِ وتخلیق کی کھلی نشانیاں اورشہادتیں ہیں کائنات کی اِن اشیاء پر جتنا غورکیاجائے اتنا ہی خالق کائنات کے وجودکا زیادہ وثوق اورشدت کےساتھ یقین ہوتا جائے گااوریہ ماننا پڑے گا کہ کوئی تو ہے جونظام ہستی چلا رہا ہے۔وہی خدا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے سائنسدان بڑے بڑے حکماءاوربڑے بڑے فلاسفرہوگزرے ہیں لیکن گھاس کودودھ میں تبدیل کرنے کاراز کوئی بھی دریافت نہ کرسکا۔سرسوں کے دانے کی بساط ہی کیا ہے جو زمین کے تخت پردے کوچیرتا ہوا نرم و نازک سبزی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔سورج کی کرنیں،شبنم کی بوندیں اس کی پرورش کرتی ہیں ہوا کے جھونکے اِس نازک ترین پودے کوجھولا جھلا کر پروان چڑھاتے ہیں۔یہ سارے اسباب جو اِس پودے کی نشوونما کیلئے جمع ہوئے انہیں محض اتفاق نہیں کہا جاسکتا۔اِن عوامل کے پیچھے یقیناً کوئی ہاتھ ضرور ہےاوروہ قوت وہ طاقت اللہ ہی ہے۔کسی شاعرنے کائنات اورخالقِ کائنات کے بارے اپنے ایک ہی شعر میں سارے مسئلوں، ساری اُلجھنوں اورسارے ابہام کا حل اس طرح پیش کیا ہے:

یہ سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

حاجی رود به کعبه (قسط نمبر 5)

(طارق محمود)

تیسرا دن (10 ذی الحج): مزدلفہ سے منیٰ، رمی جمرہ عقبہ، طواف زیارت اور منیٰ واپسی

مزدلفہ سے منیٰ: رہنمائے حج کے مطابق مزدلفہ کی رات آرام کے لیے ہے۔ کھلے آسمان تلے چٹائیوں پر کمر سیدھی کرنے کو تین چار گھنٹے کا وقفہ شاید آرام تو نہیں، واماندگی کا وقفہ تھا۔ صبح تین بجے اہل گروپ کو جگا کر آگے چلنے پر آمادہ کیا، مقصد یہ تھا کہ زیادہ گنجان علاقے سے نکل کر فجر اور وقوف کے بعد روانگی میں سبقت کی جائے۔ اہل گروپ کے مطابق مزدلفہ میں فجر جلدی پڑھنا افضل جبکہ میرا خیال تھا کہ فجر کا وقت ہونے کے بعد جلدی پڑھنا مراد ہوگا۔ گروپ لیڈر نے تقریباً پونے چار بجے نماز پڑھوا دی۔ تھوڑی دیر چل کر ستانے کو بیٹھ گئے۔ قریب ہی ایک صاحب نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر تبصرہ کیا کہ عجیب لوگ ہیں، ابھی فجر کا وقت داخل ہی نہیں ہوا اور انہوں نے نماز شروع کر دی ہے۔ میں نے منصور سے کہا کہ میرا موقف بھی تو یہی تھا، کہنے لگے دوبارہ پڑھ لیتے ہیں۔ اب کیفیت سب کی کچھ ایسی تھی کہ نماز دہرانے کی ہمت کسی نے نہ کی

وقوف کے بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ ہوائی چپل کی وجہ سے پاؤں خاصی تکلیف میں تھے۔ خیمے میں جا کے آرام کے تصور نے ہمت بندھائے رکھی۔ راستے میں جا بجا شرطے ایک دائرہ بنائے ہوئے راستے میں آ جاتے تھے جس سے انسانی سمندر کا بہاؤ کم ہو جاتا تھا۔ دائرے سے آگے نکل کے کشادگی کا احساس ہوتا تھا۔ حکمت اس بے مصرف سی کاروائی کی سمجھ سے بالاتر رہی منیٰ کی حدود شروع ہوئیں تو مکاتب کے داخلی دروازے بند پائے۔ آنے والوں کو سیدھا جمرات کی طرف بھیجا جا رہا تھا۔ راستے میں رکنے یا بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ گویا خیمہ میں جانے سے پہلے

اڑھائی تین کلومیٹر مزید چلنا۔ ارادہ پختہ یہ تھا کہ خیمہ میں جا کے آرام کروں گا اور کنکریاں مارنے کے لیے کسی کو وکیل کر لوں گا لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ خوشگوار حیرت اس وقت ہوئی جب اپنے مکتب کے دروازے کھلے دیکھے اور منتظمین نے خیموں تک رسائی دے دی۔ پاؤں کے زخموں پر دوا لگائی، احرام بدلا اور ڈیڑھ دو گھنٹے آرام کیا۔ سینڈل کے ساتھ چلنا ہوائی چپل کی نسبت بہت آسان تھا۔ یہ سوچ کر کہ خیمے میں نہ آنے دیا جاتا تو رمی کے لیے خود ہی جانا پڑتا۔ وکیل والا ارادہ ترک کیا اور جمرہ عقبہ کی رمی کے لیے گروپ کے ساتھ ہو لیا۔ ماضی میں جمروں کو کنکر مارنا شاید مناسک حج کا مشکل ترین عمل ہوگا۔ ستون کی بجائے بیس پچیس فٹ طویل دیوار اور آنے جانے کے لیے راستے مخصوص کر دیے جانے کی وجہ سے بدنظمی، بھگدڑ اور افراتفری کا امکان باقی نہیں رہا۔ واپسی پر مکتب پہنچنے میں البتہ کافی وقت لگ گیا کیوں کہ راستوں کے یکطرفہ ہونے اور رہنمائی کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اکثریت کو مشکل ہوئی۔ یونیورسٹی کے کلاس فیلو ارشاد نے بطور خاص تاکید کی تھی کہ رمی کے بعد خیمے کی طرف آنے کی بجائے سیدھے عزیزیہ چلے جائیں اور ہوٹل جا کر قربانی کا انتظار کر کے طواف زیارت کے بعد واپس آئیں۔ افسوس کہ اس نصیحت کو سنجیدگی سے نہ لیا جا سکا۔

خیمے میں پہنچ کر کچھ آرام کیا۔ قربانی کے لیے عصر کا وقت بتایا گیا تھا۔ ہوٹل پہنچے تو قربانی کے لیے مغرب کے وقت کا نوٹس لگا ہوا تھا۔ نماز مغرب کے بعد اہل کمرہ نے لدا دبا ہی سے ٹنڈیں کیں اور احرام سے آزاد ہو گئے۔ میرا ارادہ قصر کا تھا۔ عشاء کے بعد میں، منصور، راشد اور خواتین دو ٹیکسیوں میں حرم پہنچے، مکہ ٹاور کے فوڈ کورٹ سے کھانا کھا کر باقی تو طواف زیارت کے لیے چلے گئے اور میں نے سیلون کا رخ کیا۔ بال کٹوا کے سو ریال دیئے تو اسی بقایا ملے۔ پوچھا تو جواب ملا کہ حج کے دنوں کا ریٹ تو تیس ریال ہے آپ سے بیس لیے ہیں۔

طواف زیارت:

پہلے سے طے تھا کہ طواف اور سعی الیکٹرک کار پر کروں گا اس لیے طبیعت میں ایک اطمینان سا تھا۔اسی کیفیت میں الیکٹرک کار والے مقام پر گیا تو ایک قطار نظر آئی جس میں حرکت کے آثار نہیں تھے۔ٹکٹ گھر میں بھی کوئی موجود نہ تھا۔ایک بیلہ پکار سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا الیکٹرک کار بند ہے۔ٹکٹ ملنے اور کاریں چلنے کے بارے میں کوئی واضح اطلاع نہ مل سکی۔ ناچار بچی کھچی توانائی اور ہمت جمع کر کے طواف اور سعی مکمل کی اور ہمراہیوں سے کچھ دیر بعد فارغ ہوا رات کے دو یا اڑھائی بج چکے تھے۔ٹیکسی والوں کی من مانی عروج پہ تھی۔منیٰ کے لیے تین چار سو ریال مانگے جا رہے تھے۔ایک ٹیکسی والے سے 200 ریال میں معاملہ ہوا۔چھ افراد نہ جانے کیسے سکڑ سمٹ کے پورے آ گئے۔کبری خالد والی سرنگ سے پہلے اتار دیئے گئے کہ آگے جانے کی اجازت نہیں۔وہاں سے مکتب تک کوئی ڈیڑھ کلومیٹر دور تھا۔فجر کی اذان سے کچھ دیر پہلے خیمے میں پہنچ گئے۔

چوتھا دن (11 ذی الحج)

ہمدم دیرینہ کا ملنا:طواف زیارت سے واپس آ کر منیٰ میں فجر کے بعد آنکھ لگ گئی۔دو گھنٹے بعد آنکھ کھلی تو اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ تنویر صاحب سے ملا جائے۔شاید 2013 کی بات ہے، ایک قریبی لیبارٹری سے فون آیا کہ کچھ تعمیراتی سامان ان کو درکار ہے۔فون کرنے والے ملک تنویر صاحب تھے جن سے کوئی شناسائی نہ تھی۔تین چار ہفتے کے وعدے پر لیا ہوا سامان تین مہینے گزرنے کے باوجود واپس نہیں کیا گیا۔یاد دہانی کروانے پر مزید مہلت مانگ لی گئی۔آخر لیبارٹری کے ڈائریکٹر سے تنویر صاحب کی مسلسل وعدہ خلافی کی شکایت کی تو اسی دن سامان واپس پہنچا دیا گیا۔ ایک بات البتہ یاد رہ گئی کہ ملک تنویر صاحب ایک غیر ذمہ دار اور وعدہ خلاف شخص ہیں۔

2016 میں سینئر مینجمنٹ کورس کی تعارفی کلاس میں ایک صاحب نے اپنا نام ملک تنویر

اور دفتر کا اتا پتہ بتایا تو انکی شخصیت ،ذہن میں بنے ہوئے ان کے خاکے سے یکسر مختلف لگی ۔تبلیغی جماعت سے دیرینہ تعلق کے باوجود ایک ہنس مکھ،خوش مزاج اور آرام دہ انسان لگے۔کورس کے دوران اور بعد میں بھی ان سے رابطہ اور ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا حتیٰ کہ وہ پہاڑی مقامات پہ ناشتے والے احباب میں بھی شامل ہو گئے ۔حج کا پروگرام انہوں نے درخواستوں کی تاریخ گزرنے کے بعد بنایا اور آخری فلائیٹ میں مکہ پہنچ گئے ۔بلڈنگ ان کی ہم سے دور تھی ۔حرم کے معمولات اور موسم کی شدت کی وجہ سے ملاقات کی ہمت نہ پڑی۔موبائل فون پر بھی رابطہ نہیں ہو سکا۔اتنا پتہ تھا کہ ان کا مکتب نمبر 13 ہے۔ہمارا مکتب 11 تھا۔

مکتب نمبر 13 تک تو با آسانی پہنچ گیا۔خیمہ نمبر کا پتہ نہیں تھا۔مکتب کے منتظمین کو تنویر صاحب کا بلڈنگ والا کارڈ دکھایا لیکن منیٰ۔عرفات والا کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے رہنمائی سے معذوری ظاہر کر دی۔ایک پاکستانی سے پوچھا،اس نے دو،تین خیموں میں آواز لگائی لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی ۔بقول اس کے خیمہ نمبر کے بغیر یہ بے سود مشقت ہے۔

معلوم نہیں کیوں یقین سا تھا کہ جب یہاں آیا ہوں بلکہ یوں کہیے کہ لایا گیا ہوں تو ملاقات ضرور ہوگی ۔خیموں کے درمیان گزرگاہوں میں ایک چکر لگانے کا سوچ کر ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ ایک صاحب صوفہ نما نشست پر سر جھکائے غنودگی کے عالم میں نظر آئے ۔غور سے دیکھا تو ملک تنویر صاحب ہی تھے۔بتانے لگے کہ وہ خیمے میں لیٹے ہوئے تھے۔چند منٹ پہلے ہی تازہ ہوا کے لیے یہاں آکر بیٹھے تھے۔چائے کا دور چلا اور پھر واپسی تک ملاقاتیں جاری رہیں۔سچ ہے کہ

"اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا

بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے"

رمی جمرات: آج کے دن،مناسک حج کی واحد مصروفیت تینوں جمروں کو کنکریاں مارنا تھی پاؤں کی کیفیت اور سہل پسندی کے پیشِ نظر خود جانے کی بجائے وکیل کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا۔علی محمد نے بخوشی وکیل بننا قبول کیا۔خیمے میں بیشتر وقت آرام،خورد و نوش،فرض نمازیں (قصر) اور

گپ شپ میں ہی گزرا۔کوئی ماحول یا اہتمام تسبیح،تہلیل اور عبادات و مناجات کا بننا شاید ممکن ہی نہ تھا بعد دوپہر بادل گھر کر آئے،خوب تیز بارش ہوئی۔خیموں کے درمیان گزرگاہوں میں پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ہلکی پھلکی چیزیں تیرتی جارہی تھیں۔آج کی بارش سے محظوظ ہونا ممکن تھا اس لیے کہ خیمے محفوظ تھے۔عرفات کی بارش تو مکتب کی تلاش،چھتری کی ٹوٹ پھوٹ اور احرام کے بھیگ جانے کے سبب ذرا تکلیف دہ ہوگئی تھی۔خوش گمانی سے کام لیتے ہوئے سوچا کہ اس روز کی بارش کا لطف نہ اٹھا سکنے کی تلافی کردی گئی ہے۔

مغرب کی نماز مسجد خیف میں پڑھنے کا پروگرام بنا۔ہم چاروں (میں،منصور،گل اور علی) جمرات سے ہوتے ہوئے مسجد تک پہنچے۔ہمارے پہنچنے تک نماز ہوچکی تھی۔مسجد میں داخلہ نماز کے بعد کچھ دیر کے لیے روک دیا جاتا ہے۔سڑک پر ہی نماز پڑھ کر واپسی کی راہ لی۔

رات کاٹی خدا خدا کرکے:

مناسک حج کی چوتھی اور آخری رات پوری کی پوری منیٰ میں گزارنا تھی۔شام کی بارش کے بعد خیمے میں حبس بڑھ گیا تھا۔کچھ وقت منیٰ۔عرفات روڈ پر چل پھر کے گزارا۔سوچا کہ آمد و رفت کم ہوجائے تو کہیں چٹائی بچھا کے مزدلفہ کی طرح کھلی فضا میں سو جاؤں مگر شرطے ہر جگہ آہی ٹپکتے تھے۔رات گیارہ بجے چٹائی اور ڈائری اٹھا کے مسجد خیف کا رخ کیا کہ وہاں ٹھنڈک تو ہوتی ہے مسجد میں اس وقت بھی تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔عبادت گزار خال خال،اصحاب النوم لاتعداد۔ تلاش بسیار کے بعد سکڑ سمٹ کے بیٹھنے کی جگہ مل ہی گئی۔کچھ وقت ڈائری لکھنے میں گزارا۔باوجود کوشش کے نیند کے جھونکے آس پاس والوں کو بھی نظر آہی گئے۔ازراہ ہمدردی تھوڑی سی جگہ کمر سیدھی کرنے کو بنادی گئی۔فجر آ کے خیمے میں ہی پڑھی کیوں کہ وضو کے لیے نکلنے کے بعد مسجد میں جانا اور جگہ ڈھونڈنا بھی کارِ دشوار تھا۔

پانچواں دن (12 ذی الحج)

رمی جمرات اور منیٰ سے واپسی: آج کے دن مناسک حج کے حوالے سے منیٰ میں آخری کام جمروں کو کنکریاں مارنے کا ہی تھا۔ زوال کے وقت کا انتظار کر کے گروپ کے چاروں افراد کنکریاں مارنے نکلے، جمروں پر کنکر زنی کا منظر بھی دلچسپ ہوتا ہے۔ زائرین کا جوش و خروش اور جمرے کی دیوار پر کنکریوں کی مسلسل بارش سے فضا میں ایک ارتعاش کی سی کیفیت رہتی ہے۔ واپس آ کر سامان سمیٹا۔ مکتب کے منتظم سے بسوں کی بابت پوچھا تو بتانے لگا کہ بسیں مزدلفہ میں تیار کھڑی ہیں جوں ہی اجازت ملے گی وہاں سے روانہ ہو جائیں گی۔

ہوٹل کا فاصلہ خیمے سے تین چار کلومیٹر ہی بنتا تھا۔ پیدل جانے میں رکاوٹ سامان اور گرمی کی تھی۔ دو تین بار وقفے وقفے سے بسوں کے بارے میں ایک ہی بیانیہ سن سن کر مناسب سمجھا کہ پیدل ہی روانہ ہوا جائے کیوں کہ مغرب سے پہلے منیٰ سے نہ نکل سکنے کی صورت میں رات یہیں قیام کرنا پڑتا۔

خیمے سے نکلے تو منیٰ میں بادلوں کا خوبصورت منظر اور خوشگوار موسم دیکھ کر پیدل چلنا بھی تفریح لگنے لگا۔ کبری خالد والی سرنگ سے نکل کر پوچھتے پوچھتے ہوٹل پہنچ گئے۔ مناسک حج تمام ہوئے سوائے طواف وداع کے۔ **(جاری ہے)**

ذکر کی اہمیت (قسط نمبر:۲)

(ابوبکر غزنوی)

اب سوال یہ ابھرتا ہے کہ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ محض چند الفاظ کی تکرار سے شخصیت کے تمام گوشے متاثر ہونے لگتے ہیں اور قوت عمل جاگ اٹھتی ہے۔ محض زبان کو حرکت میں لانے سے جی کا غبار دھلنے لگتا ہے۔ روحانی بیماریاں چھٹنے لگتی ہیں اور عقیدہ عمل میں ہم آہنگی پیدا ہونے لگتی ہے۔

آیئے اسی دانائے سبل سے پوچھیں اور اسی کے فرمودات کی روشنی میں اس کا جواب تلاش کریں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لایقعد قوم یذکرون اللہ الاحضھم الملائکۃ وغشیتھم الرحمۃ و نزلت علیھم السکینۃ و ذکرھم اللہ من عندہ (رواہ مسلم)

جب بھی کچھ لوگ اللہ کے ذکر کی خاطر مل بیٹھتے ہیں ۔فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں، رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے، سکینت ان پر نازل ہوتی ہے ۔اور خدا بھی ان کا ذکر کرتا ہے ۔ان سے جو اس کے پاس ہیں ۔

آ سما ن سجد ہ کند بہر ز مینے کہ بر و
یک دو کس، یک دو زماں، بہر خدا بنشیند

اس حدیث سے واضح ہوا کہ جو لوگ بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو اللہ کے رسول ﷺ نے سمجھا دیے ہیں، ناگزیر ہے کہ ان پر رحمت وسکینت کا نزول ہو۔

رحمت کی حقیقت

اس رحمت اور سکینت کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک جوہر ہے جس کا ورود قلب پر ہوتا ہے۔ وہ جوہر، جو تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔ بجا کہا حضرت سلطان العارفینؒ نے نورالہدیٰ میں "مجرد نزول انوار ہمہ اوصاف ذمیمہ را از قلب برمی کند" (انوار الٰہی کا محض دل سے لمس تمام روحانی

بیماریوں کو اچک لیتا ہے)

وہ شخص ذکر کی حقیقت و روح سے یکسر محروم رہا جس نے سکینت سے مراد محض ذہنی سکون سمجھا اور رحمت کے جوہر سے آشنا نہ ہوا۔

پس یہ رحمت تمام روحانی بیماریوں کی دوا بھی ہے اور اللہ والوں کی روحانی غذا بھی۔ یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں رات اپنے رب کے پاس بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" تو اس سے مراد بھی روحانی رزق ہے جسے عامۃ الناس کو سمجھانے کے لیے کھلانے پلانے سے تعبیر کیا۔

رحمت وسکینت میں فرق:

صلوٰۃ وسلام و رحمت و برکت و سکینت

ان کے معانی میں حد فاصل کھینچنے میں دقت ہوتی ہے۔

اگر چشم بصیرت وا ہو، تو عالم روحانی کی حقیقتوں پر یہ عالم آب و گل بھی دلالت کناں ہے یہ مادی رزق جو اللہ نے اپنی تمام مخلوق کے لیے پیدا کیا۔ جسے ملحد، زندیق، کافر، اسے گالیاں دینے والے، اس کے وجود سے انکار کرنے والے بھی کھاتے ہیں۔ اللہ نے اس میں کس قدر تنوع پیدا کیا سبزیوں اور پھلوں کی اقسام پر غور کیجیے۔ آم پیدا کیے تو اس کی بیسیوں قسمیں بنائیں۔ خربوزہ پیدا کیا تو ساتھ سردا اور گرما پیدا کیا۔ مختلف اقسام انواع، پھر ہر نوع میں تنوع در تنوع۔

پھر کیا اس رزق میں اللہ نے کوئی تنوع نہ رکھا، جو اس نے اپنے عاشقوں اور محبوبوں کے لیے پیدا کیا۔۔۔ وہ رزق جو ان بندوں کے لیے پیدا کیا جنہوں نے اس کی خاطر دو جہانوں کو خیر باد کہا اور اس کی ذات کے لیے وقف ہو گئے۔ کیا وہ ایک ہی قسم کی رحمت ہے جو اہل ذکر کی، روح پرور ہوتی ہے۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے وہ فطرت سے یکسر نا آشنا ہے۔ جب اس نے رحمت کی تخلیق کی تھی، تو اس کی صفت خلاقی بھرپور جوش میں آئی تھی اور اس نے ان گنت رحمت کی قسمیں پیدا کیں۔ اتنی قسمیں جنہیں تم شمار میں نہ لا سکو۔ یہ صلوٰۃ یہ سلام، یہ رحمت، یہ برکت، یہ سکینت یہ سب اس کی

رحمت کی انواع واقسام ہیں جو اہل اللہ کے سینوں پر وارد ہوتی ہیں۔ وہ لوگ جو اس لذت سے محروم ہیں، وہ لغت میں صلوٰۃ، سلام، رحمت، برکت اور سکینت کے معانی ڈھونڈتے ہیں اور جب ان کے معانی میں کوئی حد فاصل نہیں کھینچ سکتے تو پریشان ہوتے ہیں۔

عاشق نہ شدی، محنت الفت نہ کشیدی
کس پیش تو غم نامہ ہجراں چہ کشاید

من لم یزق حرق الہوی
لم یدر ما جہد البلاء

یہ بات تو سینے پر وارد ہونے کی ہے۔ زبانی سمجھانے کی نہیں ہے کیفیت روحانی ہو، ذہنی ہو یا جسمانی۔ وہ محسوس تو کی جا سکتی ہے، مگر دوسرے کو سمجھائی نہیں جا سکتی۔ جیسے کسی آدمی نے آم نہ کھائے ہوں۔ آپ اسے ہزار سمجھائیں کہ لنگڑے کی یہ لذت ہے، دسہری کی حلاوت ایسی ہے اور ٹپکے کا مزا ایسا ہوتا ہے۔ وہ ان لذتوں کا فرق سمجھنے سے یکسر قاصر رہے گا۔

سب لذتیں ہیچ ہیں:

پھر یاد رکھو کہ اس روحانی رزق کی لذت کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ ہیں۔ یہ جو تم اہل اللہ کو دیکھتے ہو کہ رات بھر اس کی بارگاہ میں بیٹھے رہتے ہیں، یوں ہی خشک اور بےلذت تو نہیں بیٹھتے۔

دیدہ باشند از رخ آں دوست اندک جلوہ
ورنہ از احیائے شب، شب زندہ داراں را چہ حظ

دوست کے مکھڑے کی کچھ جھلکیاں انہیں نظر آتی ہوں گی، وگرنہ رات بھر جاگنے کی انہیں کیا پڑی ہے۔

یہ جو صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اس کے حضور میں جم کر بیٹھے رہتے ہیں،

جبکہ بادِ نسیم اور نمازیوں کو بھی تھپک تھپک کر سلا رہی ہوتی ہے، روحانی غذا کھاتے ہیں اور شدید سرور کیف کے عالم میں ہیں۔ یہ جو ابراہیم بن ادھمؒ نے بادشاہت پر لات ماری اور تخت و تاج اس سے چھوٹ گیا تو یہ محض اس لیے کہ اللہ کا ذکر بادشاہت سے لذیذ تر تھا۔

سلطان العارفینؒ نے اپنے دیوان کے مطلع میں اسی روحانی رزق کی لذتوں کا ذکر کیا ہے

؎ اندر بوئی مشک مچایا جاں پھلن پر آئی ہو

ذکر سے میرا سینہ مہک اٹھا ہے اور قریب ہے کہ میں اپنے آپ میں نہ رہوں۔ پس محروم اور کم نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس روحانی رزق سے کوئی حصہ نہیں ملتا ہے اس سے بڑھ کر بدبختی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کی ہاں تمہارا راشن کارڈ ہی نہ بنا ہو۔ جب تک فیضان نہیں ہوتا ہے۔ عبادت طبیعت پر گراں گزرتی ہے۔ **انها لكبيرة الا علىٰ الخاشعين** ۔ اور فیضان ہو تو نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور زندگی کی سب سے بڑی لذت۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

خبیب بن عدیؓ کو جب پھانسی پر لٹکانے کے لیے لے جا رہے تھے تو کفار نے پوچھا کوئی آرزو ہو تو کہو، فرمایا: "مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔"

جب انسان اس روحانی غذا کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے تو وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اس نشہ رحمت و سکینت کے بغیر زندگی اسے پھیکی اور بے کیف معلوم ہوتی ہے۔ جیسے بھوکا بے تابی سے روٹی کی طرف لپکتا ہے اور پیاسا بے چینی سے پانی کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے، اسی بے تابی و بے قراری سے وہ اللہ کے ذکر و عبادت اور مخلوق کی خدمت کی طرف لپکتا ہے تا کہ بادہ رحمت سے وہ روح کی پیاس بجھا سکے۔ وہ لوگ جو رحمت و سکینت کی فضا میں جیتے ہیں وہ اگر اس کے احکام پر عمل نہ کریں اور اس کی منہیات سے نہ بچیں تو وہ فیضان رحمت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ فیضان رحمت کے بغیر ان کا دم گھٹتا ہے اور زندگی اداس ہو جاتی ہے۔ یوں بغیر کسی کاوش اور مشقت کے زندگی نیکی اور بھلائی کے سانچے میں ڈھل گئی۔ عقیدہ و عمل میں ہم آہنگی پیدا ہوئی، اعضاء و جوارح عقیدے کا

ساتھ دینے لگے۔

ذکر الٰہی سے رحمت کا ورود ہوتا ہے۔وہ رحمت تمام روحانی بیماریوں کی دوا ہے اور اہل اللہ کی روحانی غذا ہے۔وہ رحمت رات کے اندھیرے ہی میں نہیں،دن کے اجالے میں برستی ہے۔ وہ رحمت نیند کی حالت میں،ہوش و آگہی کے عالم میں برستی ہے۔وہ دن دہاڑے برستی ہے اور عالم بیداری میں برستی ہے۔

نہ شبم،نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

آپ بھی جی میں کہتے ہوں گے کہ یہ کیا پہیلیاں ہیں۔یہ کیا بجھارتیں ہیں،ذکر تو کبھی کبھار ہم بھی کرتے ہیں،نماز ہم بھی پڑھتے ہیں،مگر یہ رحمت وسکینت کی بارش برسنے کا کوئی حادثہ ہمیں تو پیش نہیں آیا۔وہ رحمت اگلے وقتوں میں برستی ہوگی۔

اے شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے؟

اس کی صفت رحمٰن و رحیم بھی ازلی و ابدی ہے۔وہ پل بھر کے لیے بھی کبھی معطل نہیں ہوئی۔وہ سرمدی اور لم یزلی ہے۔صفت رحمٰن کا تقاضا ہے کہ رحمت ہر دور میں برسے۔آپ کہیں گے یہ باتیں تو لذیذ ہیں مگر کیا تدبیر کریں کہ رحمت کا ورود ہونے لگے۔

ورودِ رحمت کیسے ہو!

یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ ذکر دنیوی اغراض کے لیے کیا جاتا ہے۔کوئی ملازمت کے لیے ذکر کرتا ہے،کوئی شادی کے لیے تسبیح پھیرتا ہے،کوئی وظیفے پڑھتا ہے کہ اس کے ہاں اولاد نہیں،کوئی اس لیے پڑھتا ہے کہ میرے ہاں لڑکیاں ہوتی ہیں اور لڑکا کوئی نہیں۔دنیا کے دھندے اور جنجال کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ایک جھنجھٹ سے انسان نکلتا ہے،تو دوسرے میں گرفتار ہوتا ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کا مقصودِ ذکر الٰہی سے محض دنیوی خواہشات کی تکمیل ہے۔

ذکرلوجہ اللہ کرو!

اے طالب !تو اللہ کا ذکر اللہ ہی کے لیے کر۔اس کی رضا اور خوشنودی کو اپنا مقصود ٹھہرا لے۔خود حضور ﷺ کو اصحاب صفہ کی دلجوئی اور پاس خاطر کی دوبار تلقین کی گئی۔یہ جو اصحاب صفہ کو مقام حاصل ہوا،تو اس کا باعث قرآن نے یہ بتلایا کہ وہ اللہ کو اس کی رضا کی خاطر یاد کرتے ہیں۔

ان لوگوں کو اپنے سے پرے نہ ہٹائیے،جن کی صبحیں اور شامیں اپنے رب کی یاد میں بسر ہوتی ہیں(اور یاد اس لیے کرتے ہیں کہ)اس کے مکھڑے کے طالب ہیں۔(52:6)

اور ضبط کے ساتھ بیٹھے رہیےان لوگوں کے ساتھ جواپنے رب کو پکارتے ہیں صبح وشام، اس کے مکھڑے کے طالب ہیں۔ان سے نگہ التفات نہ ہٹائیے۔(28:18)

یریدون وجهه ......وہ اس کی رضا چاہتے ہیں۔

پس اے طالب!تو اپنی نیت کو سیدھا کر اور دل و دماغ کی ہم آہنگی سے کہہ

”اے اللہ!میرا مقصود تو ہے اور تیری رضا مجھے مطلوب ہے۔

جہد کن تا ترک غیر حق گئی

دل ازیں دنیائے فانی بر کنی

کوشش کرو کہ تم غیر اللہ سے دامن جھٹک سکو اور اس دنیائے فانی سے دل نکال سکو۔

چوں الف گر تو مجردمی شوی

اندریں رہ مرد مفرد می شوی

اگر تو الف کی طرح (دنیوی حرص کی آلائشوں سے)الگ تھلگ ہو جائے تو اس راستے کا تو مرد یکتا ہو۔

اگر کسی شریف آدمی سے تم وفا کرو،اس کے آستانے کے لیے وقف ہو جاؤ اور اس کی محبت کی بنا پر اس کی چاکری کرو،تو وہ بھی تمہاری حاجتوں کا خود خیال کرتا ہے،وہ کہتا ہے اسے کھانا

دو، کہیں بھوکا تو نہیں ؟ اسے لحاف دو کہیں سردی تو نہیں لگتی ہے، اس کے کپڑے پھٹ گئے ہیں، اسے کپڑے بنا کر دو ۔ جب ایک شریف آدمی کی محبت کے یہ تقاضے ہیں تو اس رب العالمین کے بارے میں تمہارا گمان کیا ہے؟ تم اگر اس سے وفا کرو اور اس کی محبت میں اسے یاد کرو تو وہ چن چن کر تمہاری ایک ایک حاجت کو پورا کرے گا۔ حدیث قدسی ہے:

اے ابن آدم!　تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو بیٹھ، میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں گا۔

کا ر سا ز ما بفکر کا ر ما
فکر ما د ر کا ر ما آ زا ر ما

جتنی عمر تم نے دنیا کے دھندوں کے لیے وظیفے پڑھے، اے کاش اس کا عشر عشیر تم اللہ کی خاطر پڑھتے تو تم اس کے مقبول بندوں میں شمار ہوتے ۔ اے طالب: تو ذکر اللہ ہی لیے کر اور دنیا کے دھندوں کے لیے دعا مانگ ۔ دعا تیری عاجزی، تیری بے چارگی اور تیری درماندگی کا اظہار ہے یہی اعتدال کی راہ ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے ۔ دعا بھی اپنے جی سے گھڑ کر نہ مانگ، تیری عقل ناقص ہے ۔ تیری معرفت ادھوری ہے ۔ تو انگاروں کو پھول سمجھتا ہے اور پھول تجھے انگارے نظر آتے ہیں تو سم قاتل کو شہد سمجھ کر مانگتا ہے ۔ تیری دعائیں کچی اور بودی ہیں ۔ دعائیں وہی مانگ جو سرور دنیا و دین نے سکھلا دی ہیں ۔ ان دعاؤں سے سرمو انحراف نہ کر۔

(جاری ہے)

آنسو (سچے موتی)

(عبدالرشید ساھی)

انسان کے آنسو حصولِ رحمت کا قوی ذریعہ ہیں۔آنسوؤں کی فریاد مقبول ہے۔نالہ نیم شب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقبول ہے۔بارگاہ صمدیت میں آنسوؤں کی درخواست رد نہیں ہوتی۔آنسوؤں سے زمانے بدلتے ہیں۔نوشتے بدلتے ہیں۔حوادث کے طوفانوں کے رُخ بدل جاتے ہیں گردشِ ایام کے طور بدل جاتے ہیں۔مقدر بدل جاتے ہیں۔معصیت کو مغفرت مل جاتی ہے۔بد حال ماضی کو خوش حال مستقبل مل جاتا ہے۔گمشدہ برآمد ہو جاتا ہے۔بھٹکے ہوئے راہی صاحبان منزل بن جاتے ہیں۔گرداب میں گھرے ہوئے سفینے ساحل مراد تک آتے ہیں۔فراق مجاز، وصال حق بن جاتا ہے۔اشکوں کے موتیوں کی مالا عالم بالا تک کی خبر لاتی ہے۔یہ سچے موتی گوہر ہائے تابندہ، مایوس اور مرے ہوئے انسان کو زندہ کر جاتے ہیں۔

جو فریاد لب اظہار تک نہ آسکے وہ اشکوں میں بیان ہوتی ہے۔مذہب، رنگ اور نسل سے آزاد ہر انسان کی آنکھ میں ایک جیسے آنسو ہوتے ہیں۔یہی انسان کا انسان سے واحد رشتہ ہے۔ہمدردی کا، غمگساری کا..........

عشق کے مسافروں کا زادِ راہ آنسو ہیں۔عشق حقیقی ہو یا مجازی آنسوؤں سے عبارت ہے روضہ رسول ﷺ پر حاضری دینے والے آنسوؤں کی زبان سمجھتے ہیں۔یہ سرمایہ کسی کا احسان ہے، کسی کی دین ہے۔کسی کا اعجاز ہے۔اللہ تعالیٰ نے دریاؤں کو پہاڑوں کے آنسو فرمایا ہے۔بے اشک آنکھ کو پتھر کہا۔۔پتھر دل، پتھر نصیب

ہم اپنے اللہ کے سامنے کیا پیش کریں، نامہ اعمال تو پیش کرنے کے قابل نہیں رہا۔دفتر عمل میں کیا دھرا ہے۔رہی عبادت تو منظور ہو کہ نہ ہو، کیا کہہ سکتے ہیں........ابلیس کی کروڑوں سال کی عبادات صرف ایک انکار سے رائیگاں ہوگئی۔ہم تو کتنے احکامات سے روگردانیاں کرتے ہیں

من مانیاں کرتے ہیں ہم نادان کیا پیش کریں۔

ٹوٹے ہوئے دل اور بہتے ہوئے اشکوں کے ساتھ ہم اس کے سامنے سر بسجود ہیں کہ اے اللہ یہ حقیر سرمایہ ہی ہم اس زندگی سے حاصل کر سکے ہیں۔ یہ ندامت اور شرمندگی کے نذرانے تیرے سامنے حاضر ہیں........ قبول فرمائیں اپنی بارگاہ بے نیازی میں .... اپنی شان غفاری دکھا اور ہمارے اشکوں کو پزیرائی عطا فرما اور ہماری ملی اور انفرادی لغزشوں سے درگزر فرما۔

تو بچا بچا کے نہ رکھا سے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

ہمیں اسلام کا سوز دروں اور جذبہ صداقت عطا فرما۔ ہماری التجا اور فریاد اور مدعا صرف یہی ہے کہ ہمارے ان موتیوں کو اپنے فضل سے اپنی شان کریمی کی نابداری عطا فرما۔

تو جانتا ہے کہ ہم بے کس و بے بس ہیں۔ تیرے حبیب ﷺ کے نام لیوا ہیں اور ہماری بساط کیا ہے۔

قبول فرما مولا، ہماری فریاد جو کہ ہم آنسوؤں کی زبان میں بیان کرتے ہیں، تو اور تو ہی ہمارے آنسوؤں کا آخری سہارا ہے تو قبول کرے تو یہ موتی انمول ہیں۔ تجھے موتی پسند ہیں۔ ہم تیری بارگاہ میں موتی پیش کرتے ہیں۔ تجھے تیرے محبوب رسول ﷺ دریتیم کا واسطہ ہمارے موتی قبول فرما۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

مجاھدہ نفس

(از :سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **والذین جاھدو فینا لنھدینھم سبلنا۔**
یعنی جو لوگ ہماری ذات وصفات کو سمجھنے اور پانے کے لیے مجاہدہ کرتے ہیں، ہم انہیں ضرور اپنی صراط مستقیم دکھائیں گے۔"

اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"سچا مجاہدوہ شخص ہے، جس نے راہ خدا میں اپنے نفس سے جہاد کیا"۔

اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

"ہم نے چھوٹا جہاد چھوڑ کر بڑا جہاد اختیار کرلیا ہے۔"

صحابہ کرامؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! بڑا جہاد کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "وہ نفس کا مجاہدہ ہے۔" آنحضرت ﷺ نے نفس کے مجاہدہ کو جہاد پر فضیلت دی، اس لیے کہ اس مجاہدہ میں محنت وریاضت اور تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔ جہاد اور لوگوں کیساتھ ہوتا ہے، اور یہ مجاہدہ نفس کے خلاف مستقل اور مسلسل جدو جہد ہے، جس میں خواہشات سے نجات پانا اور احکام الٰہی کی کامل اطاعت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تمام مذاہب والوں میں مجاہدہ قابل تعریف ہے، اور اہل طریقت اس کی پاسداری میں مخصوص ہیں، اور خاص وعام صوفیوں میں مجاہدہ کا طریق جاری ہے۔ ان معنی میں مشائخ کے رموز کلمات بہت ہیں۔ سہل بن عبداللہ تستری اس میں بہت غلو سے کام لیتے ہیں، اور مجاہدات میں آپ کے دلائل و براہین بہت ہیں۔ آپ کے مذہب میں مجاہدہ کے اندر جتنا بھی ضابطہ اور تواتر اختیار کیا جائے۔ تزکیہ روح اور جلائے قلب کے لیے اتنا ہی مفید ہے۔

روایات میں ہے کہ آپ مہینہ میں صرف دو مرتبہ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے اور اتنی تھوڑی غذا کے ساتھ بھی آپ نے طویل زندگی پائی۔ تمام محققین نے مجاہدہ کی روحانی ضرورت و اہمیت کو ثابت کیا ہے۔اور اس کو مشاہدہ کا سبب گردانا ہے۔اس لیے مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ ناممکن ہے،اور ہر طالب حق کے لیے خدا کا راستہ پا لینے میں مجاہدہ بہت بڑی تاثیر رکھتا ہے۔اسی طرح عقبیٰ میں،حضور حق تعالیٰ اپنی مرادیں حاصل کرنے کے لیے دنیا میں کیا ہوا مجاہدہ نہایت مفید و کارآمد ہے پس ہونا یہ چاہیے کہ بندہ کا مجاہدہ خدا کی قربت و رضا کا باعث بنے،اور اس کے باعث بندہ کو اپنے خالق و مالک کا مشاہدہ نصیب ہو۔کیوں کہ صوفیا کے قول میں مشاہدات ہمیشہ مجاہدات کے بعد حاصل ہوتے ہیں۔

صوفیا کا ایک اور گروہ کہتا ہے کہ مجاہدہ خدا تک پہنچنے کا سبب نہیں ہوسکتا۔وہ اس کے فضل و کرم سے پہنچا ہے،نہ کہ مجاہدہ کے ذریعہ لہٰذا خدا کے فضل و کرم کو بندہ کے مجاہدہ و ریاضت سے کیا واسطہ؟ پس مجاہدہ بندہ کی تہذیب نفس کے واسطے ہے، نہ کہ قرب رضائے الٰہی کی ضمانت ،اور حضرت سہل کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے۔یعنی جو لوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں اپنا راستہ دکھاتے ہیں' نیز تمام انبیاء علیہ السلام پر درود پڑھنا، دستور شریعت کی اطاعت، کتب سماوی کا نزول،اور جملہ احکام الٰہیہ سب کے سب مجاہدہ ہیں۔اگر مجاہدہ مشاہدہ کا ذریعہ اور وسیلہ نہ ہوتا تو تمام مذکور چیزوں کا حکم باطل ہو جاتا۔نیز دنیا اور عقبیٰ کے تمام احوال کا تعلق احکام اور اسباب کے ساتھ رکھا گیا ہے۔اور جو شخص اسباب کی نفی کرتا ہے،وہ شرع اور رسم سب کا منکر ہے۔ جیسے کھانا پیٹ بھرنے کے اور لباس سردی سے محفوظ رہنے کی علامت ہوتا ہے۔پس افعال میں اسباب کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔اور ان سے روگردانی اختیار کرنا سستی عناصر و تعطل کی دلیل ہے،اور مجاہدہ کی افادیت پر مشاہدات میں بہت سی دلیلیں ہیں۔چنانچہ ایک وحشی اور سرکش

گھوڑا ریاضت کرانے کے بعد حیوانوں کی صفت کو چھوڑ کر آدمیوں کی صفت میں آجاتا ہے۔ اور وحشت وگریز کی بجائے محبت وموانست اور اطاعت شعاری اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس طرح اس کے تمام بہائمی اوصاف بدل جاتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے جانوروں اور پرندوں کو مسلسل ریاضت ومحنت سے اس درجہ پر پہنچاتے ہیں کہ جب ان کو چھوڑو، چلے جاتے ہیں اور جب بلاؤ، آجاتے ہیں۔ اور اپنے مالک کے ہر حکم کی فوری تعمیل کرتے ہیں۔ چھوٹے بچے خواہ عجمی ہوں اور عربی ان کی ملکی و مادری زبان نہ ہو لیکن مستقل ریاضت سے وہ عربی زبان بہت اچھی طرح سیکھ جاتے ہیں۔ اور ان کی طبعی بولی بدل جاتی ہے۔ اور اس کی مانند اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ پس تمام شریعت کا مدار مجاہدہ پر ہے، اور رسول خدا ﷺ نے، جو فطرتاً معصوم مطلق تھے ہمہ وقت قرب الٰہی حاصل کیے ہوئے تھے، گناہوں سے محفوظ مبرا تھے۔ اور عاقبت کی تمام سعادتوں سے یقینی طور پر مشرف تھے۔ بایں ہمہ اتنا مجاہدہ کیا کہ ذکر وعبادت کے لیے بھوکے رہتے۔ راتوں کو بیداری اختیار فرماتے اور وصال کے روزے بھی رکھتے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کثرت ریاضت ومشقت پر کئی جگہ تلقین فرمائی کہ آپ عبادت میں تخفیف فرمائیں، صحت کے لیے آرام بھی فرمایا کریں، اور اپنی جان پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ تعمیر مسجد کے دوران حضور اکرم ﷺ خود اینٹیں اٹھاتے اور آپ ﷺ کو اس سے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے حصہ کی اینٹیں اٹھا کر رکھتا ہوں، اور آپ ﷺ کی محنت اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اے ابو ہریرہؓ! تو کسی اور آدمی کی اینٹیں جا کر اٹھا، اس لیے کہ حقیقی عیش وآرام تو عقبیٰ ہی میں ہے، اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ اسی عیش وآرام کے لیے یہ مجاہدہ وریاضت اختیار فرما رہے تھے۔

حیان بن خارجہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا "آپ غزوہ و جہاد کے

معانی پر کیا ارشاد فرماتے ہیں؟" آپ نے فرمایا تو سب سے پہلے غزوہ و جہاد اپنے نفس سے شروع کر، اور اسے خوب ریاضت و مشقت میں ڈال تا کہ یہ اطاعت احکام الٰہی سے ماموروِ مکلّف ہو۔ علاوہ ازیں عام مفہوم میں جہاد فی سبیل اللہ کی کیفیت یہ ہے کہ اگر تو جہاد میں بھاگتا ہوا مارا گیا تو اللہ تعالیٰ تجھے ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ تو بھاگتا ہوا ہوگا۔ اور اگر تو نے جہاد ریاکاری سے کیا تو تیری بعثت بھی اسی حالت پر ہوگی۔ اور اگر تو نے جہاد ایمان و اخلاص اور صبر و تحمل کے ساتھ رضائے الٰہی کی خاطر کیا، اور خدا سے اس کا اجر و ثواب چاہا، تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنے خاص اولیاء اور صابرین و مخلصین کی جماعت میں اٹھائے گا، اور یہی جہاد کا منتہا ہے" پس اظہار معانی کے حق میں عبادت کی ترکیب و تالیف کو جس قدر اہمیت و اثر حاصل ہے اتنا ہی معانی کے اصول اور احوال باطن میں مجاہدات کو اہمیت و اثر حاصل ہے، اور جس طرح بیان عبارت کی صحیح ترتیب و تالیف کے بغیر درست نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح راہ خداوندی کا طے کرنا مجاہدات کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتا۔، اور جو لوگ مشاہدہ بلا مجاہدہ کا دعویٰ رکھتے ہیں، وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ بہر کیف اس کے برعکس صوفیا کے دوسرے گروہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی نجات و بخشش خدا کے فضل و کرم سے ہوگی، نہ کہ مجاہدہ سے، اور وہ لوگ اس عندیہ کے لیے قرآن و حدیث سے دلائل بھی مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا "آپ لوگوں میں کوئی شخص صرف اپنے اعمال کے باعث نجات نہیں پا سکے گا"۔ صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی نہیں؟" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہاں" میں بھی صرف اعمال کے ذریعہ نجات نہیں پا سکوں گا۔ تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہو"

(جاری ہے)

سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

﴿حکیم محمد سعیدؒ﴾

آؤ سنت نبوی ﷺ سے محبت کریں ۔ یہ صدا جس میدان میں لگائی جا رہی ہے وہ مسلمان کی زندگی کا ایسا میدان ہے جس میں محبت کی کوئی کمی کبھی نہیں رہی ۔ حرا کی شب نور سے لے کر آج کے ظلمت کدۂ جہاں تک چودہ صدیوں کے طویل عرصے میں ایک گھڑی بھی ایسی نہیں گزری جس میں اسلام کے سچے علم برداروں کے دلوں میں ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و شیفتگی کے جذبے میں کمی پائی گئی ہو ۔ یہ تو ممکن ہے کہ زمان و مکاں کے تغیرات کی بدولت اور حوادث فکر و شعور کی وجہ سے رسولؐ سے عشق و محبت کے مظاہر میں کوئی فرق پیدا ہوا ہو لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عشق نبی کی حرارت ایمانی کو اس وقت تک سرد ہوتے نہیں دیکھا گیا جب تک کسی مسلمان فرد یا قوم نے اسلام ہی کو سرے سے بھلا نہ دیا ہو ۔ قرنِ اوّل میں تو مسلمانوں کے اس عشق کی شان ہی جداگانہ تھی ۔ تاریخ آج بھی انگشت بدنداں ہے کہ ویرانہ عالم عرب میں یکایک یہ بہار کہاں سے آئی ! یہ جو کچھ ہوا اتنی وارفتگی ' اتنی ہمہ گیری ' اتنا حسن و پاکیزگی اور اتنے تواتر و تسلسل سے ہوا کہ عام اسباب و علل کے منطقی جائزے کی گرفت سے باہر ہے ۔ یہ نادر تصوّر انقلاب اور کہیں نظر نہیں آتا کہ ایک شخص بت پرستی کی ماری ہوئی دنیا کو توحید و رسالت کی آفاقیت کی طرف بلاتا ہے اور پھر اس دعوت کے دوران لوگوں کو بار بار خبردار کرتا ہے کہ وہ انھی جیسا انسان ہے اور بشر کی حیثیت سے اللہ کا رسول ﷺ ہے ۔ وہ اس خدشے کی جڑ کاٹ دینے پر اپنا سارا زور لگا دیتا ہے کہ اس کے پیرو کار اسے فوق البشر ہستی نہ سمجھ بیٹھیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کے دل و دماغ میں یہ بات بھی اتار دینے میں کامیاب ہے کہ بحیثیت رسول ﷺ اس کا ہر قول و فعل واجب الاطاعت ہے ۔ انسان کی گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اس کا عجائب پرست اور اوہام پرست ذہن بشر کو رسول اور رسول کو بشر تسلیم کرنے میں ٹھوکریں کھاتا ہے ۔

وہ کبھی بشر کو اللہ کی برابری کے درجے تک لے جاتا ہے اور کبھی اللہ کو بشر کے مقام تک لے آتا ہے' لیکن یہ سیدھی سی حقیقت اسے نظر نہیں آتی کہ انسان کی رہنمائی کے لیے نمونہ ہدایت ایک ایسا انسان ہی بن سکتا ہے جو وحی الٰہی کا تربیت یافتہ بھی ہو اور پیامبر بھی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت قرآن حکیم نے کثرت کے ساتھ یہ تاکید فرمائی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ختم المرسلین ہیں۔ ان کی رسالت ہمہ گیر اور دائمی ہے۔ ان کی عزت افزائی نہیں' اہانت ہے۔ ان کا اتباع خود ذات باری ہے' کیوں کہ وہ احکام الٰہی کے ترجمان و شارح ہیں۔ ارشاد باری ہے:

(درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

(اے نبی ﷺ! لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔" ان سے کہو کہ "اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔" پھر اگر وہ تمھاری یہ دعوت قبول نہ کریں' تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے' جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔)

قرآن حکیم میں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

(اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ جو ان کے لیے اتاری گئی ہے' اور تاکہ لوگ (خود بھی) غور و فکر کریں)

ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے:

(درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول کی حیات مبارکہ ایک بہترین نمونہ تھا' ہر اس

شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے)باری تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے:

(وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے' ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندش کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے)اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی:

(''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دیں اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو' اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'')

رسول اللہ کو مخاطب کر کے یہ بھی واضح کیا گیا:

(اے نبی ﷺ! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔'')

(ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ رسول ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔'')اس کے ساتھ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ تنبیہہ کرائی گئی:

(اے نبی ﷺ! ان سے کہو'' پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں''؟)

قرآن مجید کی ان تعلیمات پر اگر آپ صاف ذہن کے ساتھ غور فرمائیں تو اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ توحید الٰہی اور رسالت محمدی ﷺ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دائرہ اسلام میں داخلے کی مسلمہ کلید کلمہ طیبہ: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ کتاب الٰہی میں جگہ جگہ اسی کی تائید و تشریح پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ایمان' ان کے فہم و ادراک اور ان کی تعمیل و تنفیذ کا کوئی تصور اس کے سوا ممکن ہی نہیں ہے کہ جو فرمان وحی کے مطابق صاحبِ وحی جن پر دین مکمل ہو چکا اور نبوت و رسالت ختم کر دی گئی' کی طرف پورے خشوع و خضوع

اور ادب و احترام کے ساتھ رجوع کیا جائے۔ یہ طریق کار اسی طرح لازمی اور ناگزیر ہے جس طرح ہدایت ربانی کا حصول انسان کے لیے لازمی ہے۔ اگر کوئی پاک نیت، صاف ذہن اور کھلے دل کے ساتھ اس ہدایت کی تلاش میں نکلے اور فرار کا کوئی حیلہ اس کی بصیرت پر تاریکی کا غلاف نہ چڑھا چکا ہو تو اسے اصل حقیقت کو پا لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں ہو گی، لیکن اگر کج بینی، کج فہمی اور کج روی کو خود اپنے ہاتھوں سے مقدر ہی بنا لیا جائے تو اندھی آنکھوں کو سورج کی روشنی نصف النہار پر بھی تاریک نظر آتی ہے۔

صدیوں پہلے خوارج نے اپنے مخصوص عقائد و عزائم کی تکمیل کی غرض سے حدیث و سنت سے انکار کیا تھا۔ اسی طرح دورِ جدید میں کچھ فکری ففتھ کالمسٹ لوگ اسلام کو اپنی پسند کا ایڈیشن پیش کرنے کے لیے حدیث کو مجموعی طور پر مشتبہ اور سنت کو متروک بنا کر دکھاتے ہیں۔ اس کام کو انجام دینے کے لیے انھوں نے قرآن مجید کی آیات کو جس طرح خود توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، اس پر انگریزی زبان کی وہ معروف کہاوت معاً ذہن میں آجاتی ہے جس سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے۔ تاہم ان کی ساری ستم آرائیاں اس حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کر سکیں کہ اسلام کی اساس جس طرح اور جس قدر توحید باری پر ایمان اور عمل پر ہے، ٹھیک اسی قدر اور اسی طرح سنت نبوی پر ایمان اور عمل پر بھی ہے۔ سنت رسول ﷺ سے محبت کا یہی عنوان ہے جس کے بارے میں اقبال اپنے بے مثال پیرائے میں کہتا ہے:

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدۂ تصورات

تمناء کی یہ تڑپ ہماری آرزوئے حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و شعور کی روشنی اور علم و عمل کے ہر میدان میں سنت نبوی کی محبت سے سرشار فرمائے۔

شجاعت

(طالب الهاشمی)

شجاعت نام ہے دلاوری، بہادری اور دلیری کا لیکن اسے اخلاق حسنہ کی شاخ اور انسانیت کا جوہر اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب یہ عقل اور صحیح رائے کے تابع ہو، حق کی حمایت میں ہو اور باطل کے خلاف ہو، ظلم جبر اور زیادتی پر مبنی نہ ہو بلکہ ان کے خلاف ہو۔ اپنے آپ کو جان بوجھ کر اپنے ہاتھوں ہلاکت میں ڈالنے یعنی صحیح رائے اور عقل کے خلاف اپنی جان پر کھیلنے یا بے جا جسارت سے کام لے کر اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کا نام شجاعت نہیں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے ''(اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو)'' فرما کر منع کیا ہے ہاں کسی اعلیٰ مقصد کے لیے مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا اور جان تک کی بازی لگا دینا بلاشبہ **شجاعت** ہے وہی شجاعت جس کی ضد **جُبن** یعنی بزدلی ہے۔

ایک اعلیٰ کردار انسان جن اوصاف حمیدہ کا حامل ہوتا ہے ان میں شجاعت کا وصف لازماً شامل ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو احسن الناس تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اشجع الناس'' (تمام انسانوں سے بڑھ کر شجاع) بھی بنایا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت ہے کہ جب لڑائی کی آگ خوب بھڑک اٹھتی (یعنی اس میں شدت پیدا ہو جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں، فریقین کی آنکھوں میں خون اتر آتا) تو ہم رسول اللہ ﷺ کے دامن عاطفت میں پناہ لیا کرتے تھے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص دشمن کے قریب نہیں ہوتا تھا۔

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کسی لشکر یا بڑی جماعت سے ہو جاتا (اور اس سے معرکہ آرائی کی نوبت آجاتی) تو رسول اللہ ﷺ (اس لشکر یا جماعت سے نبرد آزما ہونے والے

مجاہدین میں سب سے آگے ہوتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ **اشجع ، مستقیم المزاج** صاحب جود وکرم اور راضی برضا کسی کو نہیں دیکھا۔

اب آنحضور ﷺ کی بے مثل شجاعت سے متعلق آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے۔

بعثت کے بعد رسول اکرم ﷺ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا اور معبودان باطل کی اعلانیہ مذمت فرمانے لگے تو مشرکین قریش آپ ﷺ کی عداوت کے لیے کھڑے ہو گئے اور کوئی حربہ ایسا نہ تھا جو انہوں نے آپ ﷺ کو تبلیغ حق سے روکنے کے لیے استعمال نہ کیا۔ان حربوں میں ایک حربہ یہ تھا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے شفیق چچا جناب ابو طالب کے پاس کئی وفد اس مطالبے کے ساتھ بھیجے کہ وہ حضور ﷺ کو تبلیغ حق سے روک دیں اور آپ ﷺ کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں لیکن جناب ابو طالب نے عمدہ پیرائے میں جواب دے کر ان وفود کو لوٹا دیا۔البتہ ایک مرتبہ جب مشرکین نے ان پر حد سے زیادہ دباؤ ڈالا اور مارنے کی دھمکی دی تو جناب ابو طالب نے حضور ﷺ کو مشرکین کے عزائم بد سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ خدشہ ظاہر کیا کہ بھتیجے تمہارے طرز عمل سے مجھ پر اتنا بوجھ نہ پڑ جائے جو میں اٹھا نہ سکوں تو حضور ﷺ نے جواب دیا:

’’چچا جان! خدا کی قسم اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اللہ کا دین اللہ کی مخلوق تک نہ پہنچاؤں تو میں ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اللہ کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا میں اس راہ میں اپنی جان دے دوں۔‘‘

آپ ﷺ کا شجاعانہ جواب سن کر شفیق چچا نے کہا: اچھا جاؤ! اپنا کام کرتے رہو میں تمہاری حمایت سے دستکش نہیں ہوں گا۔

یہ حضور ﷺ کی مکی زندگی کا وہ پر آشوب زمانہ تھا جب مشرکین مکہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن چکے تھے اور اپنے سارے وسائل دین حق کی اشاعت کے خلاف جھونک رہے تھے۔حضور

ﷺ کی شجاعت اور استقامت دیکھیے کہ آپ ﷺ نے دشمنوں کے طوفان بدتمیزی اور دھمکیوں کو ٹھکرا دیا اور تبلیغ حق سے دستکش ہونا کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔

مشرکین قریش جب دیکھتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ تبلیغ حق میں برابر مشغول ہیں اور ان کا کوئی حربہ حضور ﷺ کو اس کام سے بعض نہیں رکھ سکا تو وہ انگاروں پر لوٹ لوٹ جاتے تھے اور آپ ﷺ کو ستانے کے لیے ایسی ایسی ذلیل حرکتیں کرتے تھے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ جاتی تھی لیکن حضور ﷺ کے عزم و استقلال اور بے خوفی کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کبھی پل بھر کے لیے بھی ہراساں نہ ہوئے، دعوت توحید کا کام بھی تسلسل کے ساتھ جاری رکھا اور حرم شریف میں جا کر بیت اللہ کا طواف کر رہے ہوتے تو کفار اس میں خلل ڈالنے کے لیے قسم قسم کی گھٹیا حرکتیں کرتے لیکن آپ ﷺ ان کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ایک دن تو بدبختوں نے حضور ﷺ پر ہاتھ اٹھانے (بلکہ آپ کو شہید کرنے) کا منصوبہ بھی بنایا اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع بھی مل گئی مگر آپ ﷺ بے دھڑک حرم تشریف لے گئے۔آپ ﷺ کے اخلاقی رُعب اور خدا داد شجاعت کے سامنے دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور کسی کو آپ ﷺ پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

غزوۂ بدر میں آنحضور ﷺ کے ساتھ صرف ۳۱۳ صحابہؓ تھے۔ان کے پاس ہتھیار بھی واجبی سے تھے۔دوسری طرف مشرکین قریش کا لشکر تقریباً ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس تھے لیکن حضور ﷺ نے نہ اپنے لشکر کی قلت تعداد کو دیکھا اور نہ کثیر التعداد دشمن کو خاطر میں لائے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے اس شان سے خوفناک دشمن کا مقابلہ کیا کہ وہ ذلت آمیز شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔اس کے ستر آدمی میدان جنگ میں ڈھیر ہو گئے اور ستر مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔

غزوۂ احد میں جب کفار نے لشکر اسلام کے عقب سے حملہ کیا اور مسلمانوں میں ابتری پھیل گئی تو رسول اکرم ﷺ معدودے چند جاں نثاروں کے ساتھ میدان جنگ میں قدم جما کر کھڑے رہے۔آپ پر تیروں تلواروں اور پتھروں کا مینہ برس رہا تھا اور آپ زخمی بھی ہو گئے تھے۔

لیکن پائے استقلال میں مطلق جنبش نہ آئی بلکہ آپ ﷺ آگے بڑھ کر اپنی منتشر فوج کو اس طرح پکار کر جمع فرما رہے تھے۔"اللہ کے بندو! ادھر آؤ اللہ کے بندو! ادھر آؤ میں ہوں اللہ کا رسول، یہ حضور ﷺ کی شجاعت اور حکمت عملی ہی تھی کہ دشمن نے تیراندازوں کی غلطی کا فائدہ تو اٹھایا لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور میدان جنگ سے فرار ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (صورت و سیرت میں) سب لوگوں سے اچھے تھے سب لوگوں سے بڑھ کر سخی اور سب لوگوں سے زیادہ شجاع تھے۔ایک رات کا ذکر ہے کہ مدینے کے لوگ گھبرا اٹھے جیسے کوئی دشمن چڑھ آیا ہو یا ڈاکہ پڑ گیا ہو (یہ ایک ہولناک آواز تھی) تو کچھ لوگ اس آواز کی طرف دوڑے (تھوڑی دُور چلے ہوں گے کہ) جناب نبی ﷺ ادھر سے آتے ہوئے ملے کیونکہ آپ تنہا اس آواز کی طرف تشریف لے گئے تھے اور آپ ﷺ (تسلی کے لہجے میں) فرما رہے تھے"ڈرو مت گھبراؤ مت۔اور آپ ﷺ ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے جس کی پشت پر زین نہ تھی اور آپ ﷺ کی گردن مبارک میں تلوار لٹکی ہوئی تھی۔آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ میں نے اس گھوڑے کو تیز روی میں ماہر پایا۔حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی خونریزی یعنی سخت و شدید ہوا کرتی تھی تو ہم نبی ﷺ کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور ہم سب سے دلیر بہادر وہی شخص متصور ہوتا تھا جو نبی ﷺ کے پہلو میں کھڑا ہوتا تھا۔غزوۂ حنین (۸ ہجری) میں کمین گاہوں میں بیٹھے ہوئے مشرکین نے مسلمانوں پر اس شدت سے تیر برسائے کہ اکثر مسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ منتشر ہو گئے لیکن رسول اکرم ﷺ معدودے چند صحابہ کے ساتھ میدان جنگ میں پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے"اس وقت آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ حضور ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے اور آپ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارثؓ آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھے اس موقع پر حضور ﷺ یہ رجزیہ شعر پڑھ رہے تھے۔

میں نبی ہوں اس میں قطعاً جھوٹ نہیں ہے"میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں حضور ﷺ اس وقت تک میدان جنگ میں کھڑے رہے جب تک دشمن کو مکمل شکست نہ ہو گئی۔

توبہ کے راستے کی رکاوٹ

(علامہ عالم فقری)

بے شمار ایسے اسباب اور وجوہات ہیں جو انسان کو توبہ کی طرف آنے نہیں دیتے اور انسان مادیت میں اس طرح الجھا ہوا ہے کہ اسے توبہ کا کبھی احساس ہی پیدا نہیں ہوتا وہ اسباب جو توبہ کے راستے میں رکاوٹ ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔شیطان:

توبہ کے راستے میں شیطان سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ انسان کہیں اللہ کے حضور توبہ کر کے فلاح پا جائے کیونکہ شیطان انسان کا دشمن ہے۔شیطان دراصل برائی کا مبدا ہے اور ایک سفلی طاقت ہے جو ابلیس نامی ناری مخلوق کے ساتھ وابستہ ہے۔جس طرح رحمانی طاقت دنیا میں ہر جگہ موجود ہے اسی طرح شیطانی قوت بھی دنیا میں ہر جگہ پائی جاتی ہے اور یہ قوت انسان کو گمراہ کرنے پر تلی ہوئی ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر غیر اللہ کی طرف لانے میں مصروف ہے۔

شیطان اور انسان کی دشمنی ازل سے ہے اور انسان دشمنی شیطان کی عین فطرت ہے۔ چنانچہ ہمیشہ وہ انسان پر اپنی شیطانیت کے جال ڈالتا ہے کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ مخلوق خدا قطعاً اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف نہ جائے اور وہ انسان کے ایمان کو ضائع کر دے،شیطان ان لوگوں کے ساتھ بھی مخالفت پر کمر بستہ رہتا ہے جو اس کے ساتھ مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس راستے پر چل رہے ہوتے ہیں جیسے کفار،گمراہ اور فاسق لوگ،مگر وہ لوگ جو اللہ کے خاص بندے

ہوتے ہیں اور اللہ کے راستے پر چلتے ہیں ان کے ساتھ شیطان کی دشمنی بہت شدید ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ کے مخصوص گروہ کے ساتھ اس کی مخالفت بھی خصوصی ہے۔

بچپن اور جوانی میں حقیقی شعور کا بیدار ہونا ذرا مشکل ہے، عمر کے اس دور میں انسان اطاعت اور عبادت کی طرف بہت کم رجوع کرتا ہے، شیطان نے انسان کے اردگرد ایسے جال پھیلائے ہیں کہ وہ انسان کو گناہ ہی میں گھیرے رکھتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کے لیے تو یہ سب سے پہلی سیڑھی ہے کہ انسان اپنے سابقہ گناہوں پر توبہ کرے اور ان کو آئندہ نہ کرنے کا اللہ سے وعدہ کر کے عبادت کی طرف راغب ہو جائے۔ چنانچہ شیطان انسان کو اس پہلی سیڑھی کی طرف بھی آنے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ توبہ کر کے اللہ کے راستے پر چلو گے تو غریب ہو جاؤ گے، دکھ، رنج اور غم اٹھانا پڑے گا۔ چنانچہ یہ ابلیس انسان کی اس طرح آنکھیں بند کرتا ہے کہ اسے توبہ کی طرف آنے ہی نہیں دیتا حتیٰ کہ بارگاہِ رب العزت سے انسان کو بلاوے کا وقت آجاتا ہے اور توبہ کرنے کا وقت گزر جاتا ہے تو انسان کی آنکھ کھلتی ہے وہ دیکھتا ہے کہ اس کے اعمالنامہ میں سوائے گناہ کے اور کچھ بھی نہیں مگر اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا ہے۔ شیطان نے اپنے لشکر تیار کر رکھے ہیں جن میں جنات کا خاص رول ہے کہ وہ انسان کے اردگرد احاطہ کئے ہوتے ہیں، جو ہر حیلے اور بہانے سے صراطِ مستقیم پر آنے سے روکتے ہیں۔

۲۔ خوفِ خدا کا فقدان:

اللہ کا خوف انسان کو گناہوں اور لغزشوں سے بچاتا ہے کیونکہ جب انسان کو کسی مالک اور آقا سے ڈر اور خوف ہو کہ اگر مجھ سے کام خراب ہو گیا یا میں نے نہ کیا تو مجھے آقا سے سزا ملے گی یعنی انسان کے دل میں جب اللہ کا ڈر ہو کہ میں برا کام کرنے لگا ہوں اور اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور مجھے یہ

کام کرنے پر سزا ملے گی تو انسان یہ خیال کر کے خوف کھا جاتا ہے کہ سزا میں اپنے آپ کو کیوں مبتلا کروں تو اس طرح خوف خدا کی بنا پر انسان گناہوں میں آلودہ ہونے سے بچ جاتا ہے۔

اللہ سے ڈرنے والوں کے بارے میں ارشاد ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ہدایت اور رحمت ہے، خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں اللہ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے اور اس کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے خوف خدا کے بارے میں بے شمار موقعوں پر فرمایا:

آپ ﷺ نے فرمایا کہ خوف خدا علم و حکمت کا خزانہ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ دو خوف یا دو تحفظ ایک بندے میں جمع نہ کروں گا یعنی اگر بندہ دنیا میں اللہ سے ڈرتا رہے گا تو میں قیامت کے دن اسے محفوظ رکھوں گا اور اگر کسی نے دنیا میں خوف نہ کھایا تو قیامت کے دن اسے مبتلائے خوف رکھا جائے گا۔

جو حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس سے ساری دنیا ڈرتی ہے اور سارا زمانہ خوف کھاتا ہے اور جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ ہر شے سے خائف رہتا ہے اور پھر فرمایا تم میں سے خائف ترین اور عاقل ترین وہی ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ خوف کھاتا ہے وہی سب سے زیادہ عاقل ہے۔

اور پھر فرمایا کہ وہی مومن ہے کہ آنسو کا ایک قطرہ اس کی آنکھ سے نکلے، خواہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو اور بہتا ہوا اس کے چہرے پہ آ ڈھلکے اور اس پر آتش دوزخ حرام نہ ہو جائے۔

اور فرمایا کہ جب خوف خدا سے بندے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو گناہ اس کے جسم سے اس طرح الگ ہو جاتے ہیں کہ جس طرح کہ پتے درختوں سے جھڑ جایا کرتے ہیں۔

اور فرمایا جو شخص خوف خدا سے ڈرتا ہے، دوزخ کی آگ اس کے قریب نہیں جا سکتی۔

ایسے ہی جیسے کہ پستان سے نکلا ہوا دودھ واپس پستان میں نہیں جا سکتا۔

خوف خدا کی بے پناہ فضیلت ہے اور خوف کے زیر اثر صبر اور توکل کا ظہور ہوتا ہے لیکن موجودہ دور میں لوگوں کے توبہ کی طرف مائل نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل خوف خدا سے خالی ہو گئے ہیں اور لوگ گناہ کرتے وقت ذرا نہیں سوچتے کہ اللہ کی ذات ان کو دیکھ رہی ہے۔ اکثر آنکھیں بند کئے گناہ پر گناہ کئے جا رہے ہیں۔ انسان کو ہر وقت اللہ سے ڈرنا چاہیے اور اللہ کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔

یہ خیال آخرت میں نیک اعمال پر انعام ملنا محض ایک وعدہ فردا ہے لیکن دنیوی زندگی میں فوری فائدہ نظر آتا ہے لہٰذا وہ اس فوری مفاد کو ترجیح دیتا ہے۔ حالانکہ دنیوی فائدہ عارضی اور تھوڑے عرصے کے لئے ہے اس کے مقابلہ میں آخرت کا فائدہ زیادہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

۳۔ نفس:

توبہ کرنے کے راستے میں نفس بھی ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے جو انسان کو نیکی کی طرف نہیں آنے دیتا۔ انسانی خواہشات کی آماجگاہ ہے اور اس کی وجہ سے انسان کے دل میں طرح طرح کی بیشمار جائز و ناجائز تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ نفس مادی جسم کو زیادہ سے زیادہ سہولت اور تن آسانی پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور جب نفس کو دنیاوی سہولتیں میسر آجاتی ہیں، مادی دولت کی ریل پیل ہوتی ہے، دنیاوی سکون خوب حاصل ہوتا ہے ظاہراً کوئی خاص مصائب اور آلام نہیں ہوتے تو نفس انسان میں خودسری اور غرور پیدا کرتا ہے تو پھر اللہ کی اطاعت چھوڑ کر سرکشی کی طرف آجاتا ہے، تن آسانی کے لئے نفس انسان کو غیر شرعی امور یعنی شراب زنا کی طرف مائل کر دیتا ہے کھانے پینے کی طرف خوب توجہ دیتا ہے۔ اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں اعلیٰ اور بلند خیال کرنے لگتا ہے مگر نفس کو جب کوئی ذرا سی تکلیف پہنچتی ہے تو رونے لگ جاتا ہے۔ اللہ پر شکوہ کرتا

ہے تقدیر کو برا بھلا کہتا ہے۔

نفس ایک ایسا چور ہے جو انسانی دل میں اپنا مقام رکھتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے لہٰذا اس سے بچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے دوسرے یہ ایک ایسا دشمن ہے کہ ہمارا محبوب ہے تو جس سے محبت ہوتی ہے تو اس کے عیب نظر نہیں آتے مگر انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ انسان کے ساتھ عداوت اور نقصان رسانی میں مصروف ہے اور انسان کو نفس گمراہ کر دیتا ہے۔

تاریخی حالات میں جب ہم بڑے شہنشاہوں کی زندگیوں کو دیکھتے ہیں کہ نفس نے ان کو کس طرح تباہ کیا اور جتنی روز اول سے لے کر انسان پر ذلت، آفت اور مصیبت واقع ہوتی ہے وہ سب نفس کے باعث ہوتی ہے۔ بعض برائیاں تو صرف نفس کی وجہ سے ہوتی ہیں اور بعض میں نفس برائیوں کی معاونت کرتا ہے۔

نفس کو علمائے حق نے تین طرح سے دبایا ہے نفس کو شہوت نفس پرستی سے روکا جائے اور اس شہوت کو کم کرنے کا علاج بھوک ہے۔ پھر نفس کشی کے لئے زیادہ سے زیادہ عبادت کی جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ہر وقت نفس کو شر و فساد سے محفوظ کرنے کے لیے توفیق طلب کی جائے۔ قرآن میں ہے نفس تو ہمیشہ برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ کا رحم ہو وہی محفوظ رہتا ہے۔ جب نفس کو دبایا جائے تو نفس توبہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

شہوات کا غلبہ، لوگ دنیاداری کی رنگ رلیوں میں اس قدر محو اور مشغول ہو جاتے ہیں کہ ان سے لہو و لعب کو چھوڑنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس قدر غافل ہو جاتا ہے کہ ان کا توبہ کرنا محال ہو جاتا ہے۔ غفلت سب برائیوں کی جڑ ہے۔

۴۔ نفسانی خواہشات کی تکمیل:

گناہوں میں آلودگی کی ایک وجہ شہوت پرستی ہے اور انسان اس گناہ میں اس طرح محو

ہے کہ اس کی توجہ توبہ کی طرف نہیں جاتی، انسان کی شہوت نے انسان کو اس طرح مغلوب کر رکھا ہے کہ اس کو ترک کرنے کی انسان میں ہمت اور جرأت دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ دنیاوی لذتیں اس طرح انسان پر سوار ہیں کہ انسان کے دل میں اللہ کا خوف ہی نہیں رہا اور یہی خواہشات انسان کو دنیا کے حصول کی طرف اتنا محو کر دیتی ہیں کہ انسان اللہ کے اور اس کے دین کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے جب اول اول دوزخ کو بنایا تو حضرت جبرائیل سے کہا کہ ذرا دیکھ لو۔ جبرائیل نے جھانک کر دیکھا تو کہا تیری عزت کی قسم! کون شخص ہوگا جو اسے دیکھنا تو درکنار بلکہ اس کا نام سن کر وحشت زدہ ہو جائے گا۔ اس کی طرف آنے سے گریز نہ کرے اور اس سے بچنے کے لئے ہر ممکن کوشش عمل میں لائے گا۔ پھر حق تعالیٰ نے دوزخ کے گرد خواہشات اور شہوات کو پیدا کیا اور جبرائیل سے دیکھنے کو کہا، تب انہوں نے کہا کہ شاید ہی کوئی شخص ایسا نکلے جو دوزخ میں جانے سے بچ رہے۔ پھر جنت کی تخلیق کے بعد وہی حکم دیا تو جبرائیل کا جواب یہ تھا کہ کون ایسا شخص ہے جو اس کی صفت کی طرف دوڑنے نہ لگے تب حق تعالیٰ نے مکروہات، تلخیوں، دشواریوں اور گھاٹیوں کو جو بہشت کی راہ میں حائل ہیں۔ بہشت کے گرد و پیش میں پیدا کر کے حضرت جبرائیل سے وہی بات کہی تو ان کا جواب یہ تھا کہ تیری عزت کی قسم! کوئی شخص اس میں نہ جا سکے گا کیونکہ یہ تکالیف جو اس راہ میں حائل ہیں، دشوار ہی نہیں بلکہ انتہائی خوفناک ہیں۔

سب سے بیش قیمت سرمایہ صالح افراد ہیں

(مولانا محمد اسجد قاسمی)

تاریخ کے ہر دور میں ہر قوم و ملت کو ایسے صالح، نیک طینت، پرہیز گار اور وفا شعار افراد کی ضرورت رہی ہے جو اس کی قیادت کر سکیں، اس کو منجدھار سے نکال سکیں، اس کے مسائل و مشکلات کا سنجیدگی سے جائزہ لیں اور عملی اقدامات کریں، ایسے افراد کے وجود سے امت میں جو توانائی، خود اعتمادی اور بیداری پیدا ہوتی ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں پیدا ہو پاتی سب بیش قیمت چیز یہی جاں باز افراد ہوتے ہیں، مال و دولت کے انبار ان کے سامنے بے اہمیت ہوتے ہیں۔

ایسے مخلص افراد کی جب تک قدر دانی، حوصلہ افزائی اور مدد ہوتی ہے قوم ترقی و اقبال کی شاہراہوں پر چلتی جاتی ہے اور جب ان کی ناقدری، حوصلہ شکنی اور مخالفت ہوتی ہے، ان کی جگہ نا اہل خوشامد پسند خود غرض افراد آجاتے ہیں تو قوم زوال و انحطاط کے دلدل میں پھنستی چلی جاتی ہے مخلص افراد قوم کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور اُن کے دم سے قومیں آباد رہتی ہیں، امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں اہل نظر کے لئے کافی سامان عبرت ہے حضرت عمر فاروقؓ نے ایک بار اپنے اصحاب سے کہا کہ آج تم لوگ اپنی تمنائیں اور آرزوئیں بیان کرو، اس پر ایک شخص نے کہا کہ میری آرزو یہ ہے کہ یہ گھر مال و دولت سے بھرا ہوتا اور میں اسے راہ خدا میں خرچ کرتا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ اس مکان کے برابر سونا ہوتا اور میں اُسے اللہ کے راستے میں صرف کرتا تیسرے نے کہا کہ میری طلب یہ ہے اس گھر کے برابر جواہرات ہوتے اور میں انہیں فقراء میں تقسیم کر دیتا۔ آخر میں سب کی تمنائیں سن لینے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: "میری تمنا یہ ہے کہ یہ مکان ابوعبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے افراد سے بھرا ہوتا اور میں انہیں

اللہ کی اطاعت میں استعمال کرنا''۔(التاریخ الصغیر/۲۳۳)

حضرت عمرؓ نے تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام لے کر یہ واضح کردیا کہ کام کا انسان سب سے قیمتی دولت ہے،اور یہ ایسا گوہر ہے جو نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، اور اس کی قدر بھی خال خال ہی لوگ کر پاتے ہیں:

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خود زبانِ رسالت سے یہ الفاظ جاری ہوئے کہ ہر امت میں کوئی نہ کوئی امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن جراح ہیں، تاریخ اسلامی میں ان کی امانت وصلاح، جانبازی ودلیری،قربانیوں اور ایثار کی داستان ثبت ہے، جنگ بدر میں اپنے کافر باپ کو مار کر انہوں نے یہ ثابت کردیا کہ ان کا جوش توحید نسبی تعلق وقرابت پر غالب ہے،انہوں نے اپنے باپ کی صورت میں شرک کو قتل کیا تھا، چنانچہ قرآن کریم کی سورہ مجادلہ کی آخری آیت میں اس کا ذکر آیا اور اللہ نے یہ اعلان کردیا کہ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، وہ اللہ کے گروہ میں ہیں جس کا مقدر فلاح وکامرانی ہی ہے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی خدا ترسی، اتباع سنت،تواضع وزہد اور حلم وتحمل بہت معروف ہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقول رسول اکرم ﷺ امت محمدیہ میں حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابی ہیں،انہیں یمن کا والی بنایا گیا،ان کے زہد و استغناء کے متعدد واقعات محفوظ ہیں۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے قابل اعتماد صحابی تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کو اپنے راز بتادیا کرتے تھے اور آپ ﷺ ہی نے فرمایا کہ حذیفہ تم سے جو بیان کریں اس کی تصدیق کرو،منافقین کی پوری فہرست ان کے پاس رہا کرتی تھی،اتباع سنت ان کا ایک خاص وصف تھا، یہ واقعہ مشہور ہے کہ انہیں ایران میں کسریٰ کی طرف سے مذاکرات کے لئے دعوت دی گئی،کھانا لایا گیا، آپ نے کھانا شروع کیا درمیان میں ایک لقمہ آپ کے ہاتھ سے نیچے گر گیا،اس وقت

آپ کو وہ حدیث یاد آئی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اسے اٹھا لو، صاف کر کے کھا لو ضائع نہ کرو، کیونکہ وہ اللہ کا رزق ہے، اور کیا معلوم کہ اللہ نے رزق کے کس حصے میں برکت رکھی ہے چنانچہ حضرت حذیفہ نے نیچے گرا ہوا لقمہ اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا، بغل میں موجود شخص نے کہنی مار کر آپ کو اشارہ کیا کہ یہ شاہ کسریٰ کا دربار ہے، یہاں اگر تم نیچے گرا لقمہ اٹھاؤ گے تو ذلیل و بے وقعت سمجھے جاؤ گے، اس پر حضرت حذیفہ نے جواب دیا کہ کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے اپنے محبوب پیغمبر کی سنت چھوڑ دوں ؟ یہ حقیر و ذلیل سمجھیں یا باعزت و شریف، میں سنت پر عمل سے دستبردار نہیں ہو سکتا، چنانچہ پھر اسی اتباع سنت کی برکت سے انہوں نے ایران فتح کر لیا۔

ان تین صحابہ کرام کی زندگیاں نمونہ تھیں، اسی لئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری آرزو یہ ہے کہ ایسے افراد کی کثرت ہو، واقعہ یہی ہے کہ ہمارے معاشرے کا بگاڑ اسی وقت دور ہو گا اور ہمارا زوال اسی وقت ختم ہو گا جب ایسے جیالے اور تقویٰ شعار افراد قائدانہ مقام پائیں گے، ضرورت ایسے افراد کو تیار کر کے میدان عمل میں لانے اور ان کی رہنمائی میں عملی اقدامات انجام دینے کی ہے، خاموشی اور غفلت وہ جرم ہے جو معاف نہیں ہو سکتا۔

تعمیرِ اساس

(استفادہ از الفوائد: مولفہ ابن القیمؒ) (مرتب: حامد کمال الدین)

عمارت بہت اونچی لے جانا چاہتے ہو تو بنیاد بہت پختہ کرلو........

"اعمال" اور "فضائل و درجات" ایک عمارت ہیں تو ''ایمان'' اس کی اساس۔

بنیاد مضبوط ہو تو عمارت جتنی مرضی اونچی اُٹھالو! پیروں میں جان ہے تو بوجھ جتنا مرضی لاددو!!

بالائی عمارت کا کوئی حصہ منہدم بھی ہو جائے تو اس کی تلافی اور اس کی بحالی کچھ اتنی دشوار نہیں۔ البتہ بنیاد کا کوئی کمزور حصہ ڈھ جائے تو پوری عمارت ہی زمین پر آرہتی ہے۔

پس جو شخص درحقیقت عارف ہے، اس کی کُل توجہ بنیاد مضبوط کرنے پر رہتی ہے اور اس کی ہمت اور محنت کا بڑا حصہ ''**عمارت**'' کے اسی زیریں حصہ پر صرف ہوتا ہے۔ تب جوں جوں اوپر کے حصہ کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے، نہایت شاندار شکل سامنے آنے لگتی ہے۔

البتہ ایک جاہل شخص دیواریں اونچی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ بنیادوں پر عرصے لگا دینا اس کو بڑا ہی عجیب لگتا ہے! اس کی عمارت آئے دن کہیں نہ کہیں سے گری ہوتی ہے، پھر بھی یہ اس کو اوپر اُٹھانے ہی کیلئے پریشان رہتا ہے۔

عمارت کی بنیاد ایک پوری ترتیب کے ساتھ اُٹھانا، غور کیا جائے تو قرآنی ہدایت ہے، نبوی ﷺ طریقِ عمل اور ایک کارِ حکیمانہ:

''بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضامندی پر رکھی وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد، گرجانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اُس کو دوزخ کی آگ میں لے گری!! **(سورۃ التوبہ:۱۰۹)**

''بنیاد'' اور ''عمارت'' کا ایک لحاظ سے وہی تعلق ہے جو 'قوت' اور ''بدن'' کا۔

زیادہ قوت ہوتو وہ ایک بدن کو پھرتی کے ساتھ اُٹھائے پھرتی ہے۔صرف یہی نہیں، وہ بدن سے ہزار آفتیں بھی دفع کر رکھتی ہے۔ناتوانی ہوتو بھاری جسم نرا عذاب ہے۔پھر، ہر آفت جب آتی ہےتو ایسے ہی جسم کو اپنے لئے بہترین آماجگاہ پاتی ہے۔

پس لازم ہے کہ تم اپنی ساری عمارت ''ایمان'' کی بنیاد پر ہی اُٹھاؤ۔عمارت کی تو سیعات میں کوئی خرابی نکل بھی آئے، یا کوئی چیز بس سے باہر بھی ہونے لگےتو بالائی حصہ میں اس کا تدارک کرلینا ''بنیاد'' کی مرمت کرانے کی نسبت کہیں آسان ہوگا۔

بنیاد ڈالنے کا کام دو حصوں پر مشتمل ہے:

پہلا: **صحیح معرفت اور واقفیت پانا**: اللہ کی، اللہ کے دین اور مشن کی، اور اُس کے اسماء اور صفات کی۔

دوسرا: اخلاص اور یکسوئی پانا اللہ اور اسکے رسول کیلئے تابعداری کے اندر، اس کے ماسوی ہر چیز سے مکمل دامن کش رہتے ہوئے۔

یہ دونوں خوب محنت کے کام ہیں، جو اگر ہو جائیں تو سمجھو تمہاری بنیاد تیار ہےاور تم اس پر جتنی اونچی چاہو اپنے عمل کی بنیاد اُٹھالو۔

ابتداء کے اندر بھی، اور پھر آگے چل کر بھی جیسے جیسے کام بڑھے، سب سے زیادہ توجہ اسی پر دینا ہوگی کہ جس قدر توسیع ہورہی ہے اس کا ''بنیاد'' سے رشتہ کتنا مضبوط ہے؟اس میں قوت اور مضبوطی کا کیا معیار رکھا گیا ہے؟ اور اگر کوئی ایسے عوامل پائے جارہے ہیں جو کہیں کمزوری سے پیوستگی کو یقینی نہ رہنے دیں گے تو ان کے ازالے کی کیا صورت ہے؟ بے شک کہیں پر بوجھ ہلکا کرنا پڑے، مگر اس بات کا روادار کبھی مت ہونا کہ ایک ایسی عمارت کے مالک کہلاؤ جس کا کوئی بھروسہ نہیں۔!!!

بعینہٖ ویسے ہی جیسے قوت اور بدن کا معاملہ ہے۔دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آدمی کی'' صحت کیسی ہے'' نہ کہ جثہ کتنا ہے! چستی، پھرتی اور حصولِ مقاصد جسم کا اصل مطلوب ہے نہ کہ وزن

کا بھاری بھرکم ہونا! خون سے بڑھ کر جسم کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے، مگر وہ بھی صاف ستھرا اور صالح مواد پہ مشتمل ہو تو ہی۔ خون پورے جسم میں زندگی بن کر دوڑتا ہے تو خون ہی سب سے بڑھ کر مرض بردار خاصیت بھی رکھتا ہے۔

کوئی جسم اگر دِن بدن بے جان ہوتا جارہا ہے، مگر "وزن" تیزی سے بڑھنے لگ گیا ہے، فاسد مادّے نہایت تیزی کے ساتھ سرایت کرنے لگے ہیں اور ان کے اخراج کی کوئی صورت اختیار نہیں کی جارہی، تو وجود کا یہ پھیلاؤ اُمید افزا ہرگز نہیں، بلکہ خوفناک اور تشویشناک ہے۔

کسی وقت جسم کو غذا چاہیے تو کسی وقت فصد اور استفراغ تو کسی وقت فاقہ اور بھوک تو کسی وقت ریاضت! اصل مطلوب جسم کا کارآمد ہونا ہے نہ کہ سیر اور فربہ ہونا!

دھیما چلو مگر کہیں پہنچو سہی! میانہ روّی ہی دور دراز کی مسافتوں کو طے کر لینے کی کامیاب ترین حکمت عملی ہے!

جیسے جیسے "عمارت" بنتی جائے، ویسے ویسے مکارمِ اخلاق اور مخلوق کے ساتھ حسنِ معاملہ کا خوش نظر رنگ بھی اِس پہ کرتے جاؤ۔ پرہیز گاری کی ایک فصیل بھی ساتھ ہی اس کے اردگرد کھڑی کرنا ہوگی، دشمن بہت ہیں اور روز نقب لگانے آئیں گے! باہر سے نظر اندر نہ پڑے، اس کا بھی انتظام کرنا ہوگا، دروازوں کھڑکیوں پہ کئی طرح کے "پردے" درکار ہونگے۔ سب سے اہم "مرکزی پھاٹک" ہے، اس پہ بڑا سا "خاموشی" کا تالہ لگا رکھنا ہوگا، جو ضرورت کے وقت ہی کھلے! ہر اس چیز سے جس کے انجام کے معاملے میں تم مطمئن نہیں، اس کا گزر یہاں سے بند رکھنا ہوگا۔ اس قفل کیلئے ایک کنجی بنوا کر پاس رکھنا ہوگی جو ذکر اللہ سے کھلے اور ذکر اللہ سے بند ہو۔

اب تمہارا پورا ایک قلعہ تیار ہے۔ قلعہ بغیر پہرے اور سپاہ کے نہیں ہوتا۔ فصیل بھی ہے تو وہ اس لئے کہ دشمن بغیر کسی رکاوٹ کے اندر گھستا چلا نہ آئے۔ البتہ یہاں کماندار کھڑے نہ رکھے جائیں تو دشمن کی راہ میں اکیلی فصیل بڑی دیر رکاوٹ بنی نہیں رہ سکتی! دشمن کو ہر حال میں فصیل سے پرے رکھنا ہر اہم کام سے بڑھ کر اہم ہے۔

خدانخواستہ، کسی کوتاہی کے باعث دشمن کو اندر آنے کا موقعہ دے دیا گیا تو اس کو دھکیل باہر کرنا پھر بے حد مشکل ہوگا۔اس صورت میں یا وہ کوشش کرے گا کہ تم پر قابو پا کر رہے اور یہاں اسی کی مطلق العنانی چلے۔یا پھر، اگر وہ اتنی قوت نہیں پا تا تو اختیارات میں یہاں تمہارا حصہ دار بن کر رہے۔یا پھر وہ تمہیں ہر وقت کی جھڑپوں میں یوں اُلجھا کر رکھے کہ تم اپنے بہت سے مصالح کیلئے وقت گنجائش اور یکسوئی نہ پا سکو۔

پس ہر دم خبر دار رہو، کسی ایک وقت کی کوتاہی نہایت دوررس اثرات کے حامل واقعات کے ایک پورے سلسلے کو جنم دے سکتی ہے! یہاں تک کہ ایک بنی بنائی عمارت ملیا میٹ بھی ہو سکتی ہے۔!!!!

دعائے مغفرت

گکھڑ سے خادم حلقہ وحید احمد صاحب کی خوشدامن
بقضائے الٰہی وفات پا گئی ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)
مرحومہ کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
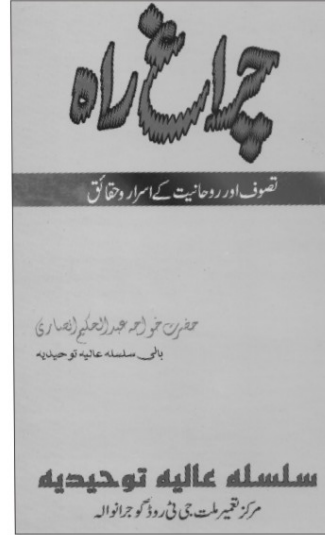
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
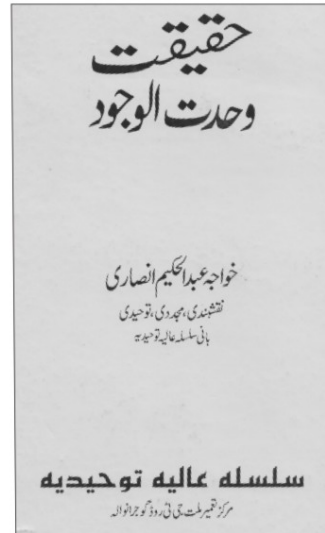
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محلِ وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
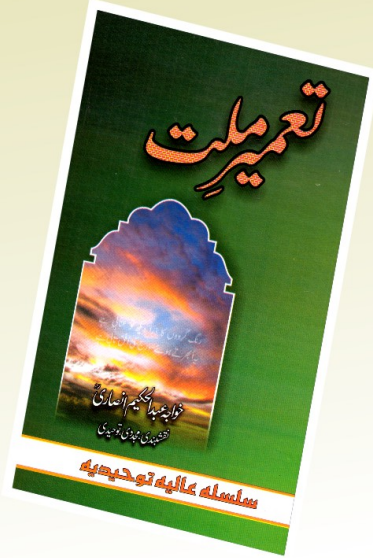
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com